دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۸ | محرم الحرام ۱۴۴۶ھ مطابق جولائی ۲۰۲۴ء | شمارہ: ۷

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
https://darululoom-deoband.com/urdumagazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 108, Issue No. 7, July 2024 जुलाई 2024
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 30/= | Annual Subscription Rs. 300/=

Annual by Regd Post. Rs. 550/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۵۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۸۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۸۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز		محمد سلمان بجنوری	۳
تحقیقی مقالہ	کتب سابقہ پر مولانا عبدالحق حقانی کی کی آرار کا تجزیہ	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۴
رہنمائی	وراثت کی بنیاد پر اوقاف کی تولیت	مولانا عبید الرحمٰن مردان	۱۴
//	ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل اور آج کا مسلمان	اے آزاد قاسمی	۲۳
تذکیر	قرآن میں زندگی کے چار ادوار	مولانا سلیم شاکر چنئی	۲۶
تذکار صحابہؓ	حضرت عثمانؓ کی بے مثال حیا	مولانا محمد اسعد قاسمی	۴۰
شخصیات	مولانا عبدالصمد رحمانی: حیات و کارنامے	مولانا غالب شمس قاسمی	۴۵
//	شیخ الحدیث مولانا قاری ارشاد حسین ارکانی	مولانا محمد امین ندوی	۵۳

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/540 روانہ فرمائیں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

محمد سلمان بجنوری

۱۴؍شوال ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۴؍اپریل ۲۰۲۴ء بروز بدھ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے موقر رکن حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی چند ہفتوں کی علالت کے بعد جوار رحمت میں منتقل ہوگئے، إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون، اللہ رب العزت خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائے اور جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطاء فرمائے۔

حضرت مولانا، اس وقت اُن علماء میں سے تھے جو احقاقِ حق اور ابطال باطل کی علامت بن جاتے ہیں اور جن کی تعداد ہر دور میں بہت زیادہ نہیں ہوتی اور اُن کے اس مقام کے پیچھے ان کی خاندانی نسبت کی برکات کے ساتھ بنیادی کردار، ان کی اپنی محنت اور قربانی کا تھا، وہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی نوراللہ مرقدہ کی نسبت کے فطری اور عملی ترجمان تھے، اس نسبت کے تعلق سے، ردّ رافضیت تو اُن کا بنیادی موضوع تھا اور اس موضوع پر انھوں نے مسلسل اور وقیع خدمات انجام دیں؛ لیکن اس کے علاوہ تحفظ ختم نبوت اور ردّ قادیانیت نیز دیگر فرق باطلہ کی تردید کے میدان میں بھی ان کی خدمات کے نقوش نمایاں ہیں اور ان تمام موضوعات پر افراد کی تیاری بھی اُن کے ادارے کا بنیادی کام رہا ہے۔

ان فکری اور تربیتی خدمات کے ساتھ ملّی معاملات میں بھی ان کا کردار قابل ذکر ہے کہ وہ طویل عرصہ تک ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے قدیم وعظیم تنظیم جمعیۃ علماء ہند کی مرکزی قیادت میں شامل اور ایک مدت تک اس کے ناظم عمومی اور آخر میں نائب صدر رہے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے وہ قدیم اور محترم رکن تھے، خلاصہ یہ کہ اللہ رب العزت نے حضرت مولانا کو بے شمار علمی کمالات اور عملی خدمات کی توفیق سے بھرپور زندگی عطاء فرمائی۔ ہم اُن کے اولاد واحفاد کرام اور تمام متعلقین کے لیے صبر جمیل کی دعاء کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت حضرت مولانا کی مغفرت فرمائے اور ملت کو اُن کا نعم البدل عطاء فرمائے، آمین!

کتب سابقہ پر مولانا عبدالحق حقانی کی آراء کا تجزیہ

(۲/۲)

از: ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

ویدوں کے متعلق مولانا حقانی کی رائے

دنیا میں متعدد تہذیبیں اور ادیان و مذاہب موجود ہیں۔ ہر مذہب کی اپنی رسم ورواج اور دینی و مذہبی کتب ہیں۔ جنہیں سامنے رکھ کر اہلیانِ مذاہب اپنی رسم وراہ اور اصول زندگی طے کرتے ہیں۔ عبادت وریاضت کرتے ہیں۔ اسی طرح سماج میں دیگر نیک کام کرتے ہیں۔ گویا جو قوم یا معاشرہ جس مذہب کے ساتھ ہوتا ہے اسے اپنے مذہب کی جملہ تعلیمات اور دینی وشرعی احکام عزیز ہوتے ہیں۔ جو چیزیں یا احکام وہ اپنے ان مذہبی صحیفوں میں پاتا ہے وہ انھیں صرف اہمیت ہی نہیں دیتا ہے؛ بلکہ انھیں برحق بھی سمجھتا ہے۔ اس تناظر میں اگر ہم قوم ہنود یعنی ہندوؤں کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی اپنی کتابوں کو الہامی کہتے ہیں۔ اور ان کے گرنتھوں کے مطابق ان کے دھرم کو ویدک دھرم، سناتن دھرم کہا جاتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعی اہلِ ہنود کے پاس جو ویدک لٹریچر کے نام سے مذہبی سرمایہ ہے، آیا وہ الہامی ہے یا پھر وہ انسانی تصنیف وتالیف ہیں؟ دراصل یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اگر اس کی مکمل تفصیل دیکھنی ہے تو راقم کی کتاب ''مسلم علماء کا مطالعۂ ہندو دھرم'' کو دیکھا جاسکتا ہے؛ البتہ اس حوالے سے یہاں چند اہم باتیں بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

علماء ہنود اپنے دینی و مذہبی صحیفوں کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔ ایک شروتی، دوسرے سمرتی، شروتی لٹریچر میں جو کتب اور گرنتھ آتے ہیں انھیں الہامی کہا جاتا ہے اور سمرتی میں جو کتب شامل ہیں انھیں غیر الہامی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہاں اس بات کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ علماء ہنود میں خصوصاً آریہ سماج سے وابستہ ویدوں کو صراحتاً الہامی قرار دیتے ہیں؛ البتہ بعض ہندو علماء ویدوں کو الہامی نہیں مانتے؛ لیکن ان کی تعداد کم ہے۔ ان تمام تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے۔ یہاں صرف ویدوں کے متعلق مولانا حقانی کی رائے کیا

ہے اس بابت گفتگو کی جائے گی؛ چنانچہ مولانا حقانی اپنی تفسیر کے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

''ہنود بھی اپنی کتابوں کو الہامی کہتے ہیں گو ان کا قرآن میں کہیں تفصیلاً ذکر نہیں؛ مگر الہامی کتاب پر ایمان لانا ہم اہل اسلام کا فرض ہے؛ اس لیے ان کی تحقیق کرنا بھی ضروری ہوا، واضح ہو کہ ہنود کے نزدیک یہ چار وید: رگ وید، یجروید، سام وید، اتھروید، برہما کے منہ سے نکلے ہیں۔ اور ان کو ست جگ زمانہ کی تصنیف کہتے ہیں۔ اور چھ شاستر (نیائے شاستر، ویدانت شاستر، میمانسا شاستر، سانکھیہ شاستر وغیرہ داخل ہیں) اور اٹھارہ پُران انھیں سے نکلے ہیں؛ چونکہ یہ شاستر، پُران، دیگر کتب مہابھارت، گیتا، جوگ بشسٹ اور رامائن وغیرہ ہنود کے نزدیک بھی ان کے علماء کی تصانیف ہیں اور کچھ مضامین وید سے لے کر یا تاریخی واقعات کو سن سنا کر پنڈتوں نے تصنیف کی ہیں پس یہ تو کسی طرح کتب آسمانی ہو نہیں سکتیں؛ مگر اس قدر یاد رہے کہ یہ سب کتابیں اہل ہند کے نزدیک معتبر اور دینی ہیں'' (ایضاً، صفحہ ۲۰۰)

لیکن مولانا حقانی نے اپنی تفسیر میں اس بات پر زور دیا ہے کہ وید الہامی نہیں ہیں۔ انھوں نے اس بات کی توثیق میں کئی اہم باتیں ان کی کتابوں سے نقل کی ہیں۔ جن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی وید الہامی نہیں ہیں۔ یہاں یہ بات ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ویدوں کے الہامی ہونے کے متعلق اختلاف ہے؛ البتہ آریہ سماجی طبقہ ویدوں کو الہامی مانتا ہے۔

مولانا نے محققین مذہب ہنود کے اس قول کو نقل کیا ہے جو تت بودھنی سبھا بریلی کے نام سے مشہور ہے۔

''پران کی مت میں چاروں وید برہما کی زبان سے یعنی چار منھ سے نکلنا لکھا ہے'' آگے تحریر کرتے ہیں: ''یہ بات قابلِ اعتماد نہیں؛ اس بات کو پنڈت جاننے والے وید کے خوب جانتے ہیں کہ کوئی وید ایک وقت میں ایک آدمی کی زبان سے نہیں بنا ہے، سب ویدوں کے جدا جدا بھاگ، جدا جدا رشیوں نے بنائے ہیں اور بلکہ وید بنانے والے رشیوں کے نام بھی جگہ جگہ پائے جاتے ہیں'' جب اس قوم کے پنڈتوں ہی نے اس بات کو رد کر دیا کہ یہ برہما کے منھ سے نہیں نکلے ہیں اور یہ اقرار کر لیا کہ ان کے مصنف ایک دو شخص نہیں ہیں؛ بلکہ متعدد لوگ مجہول الحال ہیں تب ان کو کس طرح سے الہامی اور کلام الٰہی مانا جائے، یہ اور بات ہے کہ اہل ہند اس پر نہایت اعتقاد رکھتے ہیں اور اس کو پیاری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔'' (ایضاً، صفحہ ۲۰۱)

گویا وید الہامی نہیں ہیں اس بابت مولانا حقانی نے بڑی دلچسپ اور علمی ومناظرانہ گفتگو کی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

پارسیوں کی دینی کتاب کے متعلق مولانا حقانی کی رائے

یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ کہ دنیا کے تقریباً تمام مذاہب والے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے پاس دینی اور شرعی نظام ہے اور یہی نہیں؛ بلکہ اہلیان مذاہب کا یہ بھی ماننا ہے کہ نوع انسانی کی درست رہنمائی اور صالح خطوط پر زندگی بسر کرنے کا انتظام موجود ہے۔ظاہر ہے یہ دعویٰ ہر مذہب کے بانی اوران کے یہاں جو دینی کتاب پائی جاتی ہے اس میں پایا جاتا ہے۔اسی طرح ایک دھرم یا دین پارسی مذہب کے نام سے پایا جاتا ہے ان کے یہاں بھی دینی، مذہبی کتاب کا تصور ہے صرف تصور ہی نہیں؛ بلکہ پائی جاتی ہے جسے ژنداوستا کے نام سے جانا جاتا ہے۔مولانا حقانی نے لکھا ہے:

''پارسی بھی (یعنی آتش پرست کہ جن کو مجوس کہتے ہیں) اس امر کے مدعی ہیں کہ ہمارے وخشوروں یعنی پیغمبروں پر آسمان سے خدا کا کلام نازل ہوا ہے کہ جس کو وہ الہامی اور کلام خدا سمجھتے ہیں ژنداوستا وغیرہ۔گوان کے پاس اور کتابیں بھی ہیں؛ مگر زیادہ مشہور اور معتبر دساتیر ہے۔اس کتاب میں چھوٹے چھوٹے (پندرہ شخصوں کے) پندرہ نامے ہیں۔(۱) نامہ آباد وخشور کا اس کو ایرانی اول پیغمبر کہتے ہیں (۲) جی افرام کا (۳) نامہ شاہ کلیوکا (۴) نامہ یاسان کا (۵) گل شاہ کا کہ جس کو کیو مرث بھی کہتے ہیں (۶) نامہ سیامک وخشور کا (۷) نامہ ہوشنگ کا (۸) تہمورس وخشور کا (۹) نامہ جمشید وخشور کا (۱۰) نامہ فریدون کا (۱۱) نامہ منوچہر کا (۱۲) نامہ کے خسرو کا (۱۳) نامہ زرتشت کا (۱۴) پندنامہ سکندر کا (۱۵) نامہ ساسان اول کا (۱۶) نامہ ساسان پنجم کا۔

ان میں سے اگر پندنامہ سکندر کو جدا نہ شمار کیا جاوے تو یہ پندرہ نامے ہیں ورنہ سولہ ہیں۔ان میں سے نامہ اول اور نامہ زرتشت اور نامہ ساسان اول تو تخمیناً ایک جز کے ہوں گے ورنہ اور تو ایک صفحہ یا دو صفحہ کے نامے ہیں۔ان ناموں کو ساسان پنجم نے خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کے عہد میں پاژندی زبان سے دری زبان میں ترجمہ کیا اور اصل فقروں پر ہندسوں کے نشان لگائے گئے ہیں اور ہر نامہ کے اول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ باللہ کا ترجمہ لکھ رکھا ہے۔

ان نامجات میں کچھ صفات باری تعالیٰ اور یہ بات کہ عقل اول کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے تمام عالم پیدا کیا جس طرح کہ حکمار یونان کا مذہب ہے؛ بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکمار یونان کے فلسفہ الٰہیات، فلکیات اور عصریات کو کسی نے نقل کر دیا ہے اور کواکب پرستی و آتش پرستی کے طریقے بھی مذکور ہیں اور کسی قدر پیشین گوئیاں ہیں۔

مولانا حقانی جن وجوہات کی وجہ سے پارسیوں کے دینی سرمائے کو الہامی نہیں مانتے ہیں ان کی

تفصیل وہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہ ان کے مؤلفین نے ان کو الہام سے لکھا ہے یا نہیں؟

(۲) ان کے مؤلفین کون کون ہیں؟

(۳) ان کے مضامین کیسے ہیں؟ اول امر کی نسبت یہ تحقیق ہے کہ یہ تمام نامے ایک شخص اعنی ساسان پنجم کے جمع کیے ہوئے ہیں کہ جو خسرو پرویز کے عہد میں تھا اور اس کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو تو کیا اپنی اولاد میں ہمیشہ پیغمبری کا مدعی ہے؛ چنانچہ اس کے نامہ کا ۳۹واں فقرہ یہ ہے:

''درتخمہ تو پیغمبری ہمیشہ ماند'' اگرچہ اس کے حالات مفصلاً ہم کو معلوم نہیں؛ مگر اس کے نامے میں دو چار پیشین گوئیاں ایسی ہیں کہ جن کے جھوٹ ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں ۲۵-۲۶ ویں جملے میں کہتا ہے ''وپاداش گران گروہی باشندے آرے''۔ ۲۶ ''درہم افتادہ و بدکار و آنچہ بزرگ ایشان گفتہ ہم نکند'' یعنی جو گروہ عرب نبی عربی کا پابند کہ ایرانیوں کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا بدکار اور اپنے پیغمبر کا نافرمان ہوگا۔

یہ بات بالکل غلط ہے؛ کیونکہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایران کو فتح کیا ہے اور اس میں سب صحابہ شریک تھے اور انھیں کے ہاتھ سے ایرانیوں کی سلطنت برباد ہوئی سو وہ پیغمبر علیہ السلام کے ایسے فرماں بردار تھے کہ آج تک ایسی کوئی قوم اپنے نبی یا بزرگ کی فرماں بردار نہیں ہوئی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ پاکباز کی جان و مال کے مالک تھے اور ان کے نیک ہونے میں بھی کسی اہل تاریخ کو مجال گفتگو نہیں۔ (دیکھیے تفصیل ایضاً، صفحہ ۲۰۴-۲۰۵)

کتب سابقہ پر تحریف کے مزید شواہد پیش کرتے ہوئے مولانا حقانیؒ لکھتے ہیں:

''تحریف نے جو بعد میں ان کتابوں میں ہوئی اور بھی اعتبار کھو دیا اور عیسائیوں کے مقدس لوگوں میں خاص پہلی ہی صدی سے اس بات نے کہ جھوٹ بول کر بھی دین میں کوشش کرنا امر محمود ہے۔ جیسا کہ پولوس کہتا ہے اور بھی کتب مقدسہ کی بے اعتباری کر دی اور جب کہ یہ طوفان بے تمیزی موج زن تھا کہ آپ تصنیف کرنا اور رواج دینے کے لیے کسی مشہور اور معتبر آدمی کے نام سے منسوب کر دینا جیسا کہ یونانیوں کا قدیم شیوہ تھا ان عیسائیوں کا بھی انھیں یونانی نسلوں کی جماعت میں داخل ہو جانے سے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو گیا تھا، اور جس وقت عیسائیوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ رہا تھا اور زمین میں ان کے لیے کوئی جگہ امن کی نہ تھی، ان کے عمال اور رعایا سب کی طرف سے صدیوں تک رہی ہے، اس وقت جان بچانا ہی غنیمت تھا، تلاش کر کر کے کتابیں جلائی جاتی تھیں اور جس کے پاس

کوئی ورق بھی نکلتا تھا تو شکنجے میں کھینچ دیا جاتا تھا، اس وقت اس کام کا ایسے چالاکوں کے لیے بڑا موقع تھا کہ آپ تصنیف کر کے جس حواری کے نام چاہا لگا دیا، پوچھنے والا اور تحقیق کرنے والا ہی کون تھا؟ اور جس کتاب میں جو چاہا کم زیادہ کر دیا۔ درحقیقت اس طوفان کے زمانے میں کتبِ سابقہ کو جیسا کچھ صدمہ پہنچا بیان سے باہر ہے'' (تفسیر حقانی، جلد چہارم، صفحہ ۵۳۷)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کتبِ سابقہ کو پوری طرح بدل کر پیش کیا گیا۔

نسخوں کا اختلاف

ان تاریخی اور حقیقی شواہد کے جاننے کے بعد اس حقیقت کو بھی بتانا ضروری ہے کہ کتبِ سابقہ میں نسخوں کا اختلاف کثرت سے پایا جاتا ہے۔ مولانا حقانی نے لکھا ہے۔

''وارڈ اپنی کتاب ''غلط نامہ'' میں کہتا ہے کہ ڈاکٹر مل نے جو عہد جدید کے نسخے ملائے تو تیس ہزار اختلاف پائے اور ڈاکٹر گریسباخ نے اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا یعنی تین سو پچیس کا تو ڈیڑھ لاکھ اختلاف ملے۔ اگر اور زیادہ نسخوں کا مقابلہ کیا جاتا تو اور بھی اختلاف نکلتے۔ یہ صرف انجیل کے اختلاف ہیں۔''

اس بات کو پادری فنڈر نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ پادری فنڈر لکھتے ہیں:

''اگرچہ ہم لوگ قائل ہیں کہ بعض حروف والفاظ میں تحریف وقوع میں آئی ہے اور بعض آیات کے مقدم ومؤخر اور الحاق کا شبہ ہے تو بھی انجیل کو تحریف کہتے ہیں اس لحاظ سے کہ اس کا مضمون اور مطلب نہیں بدلا''، میکیلس ڈاکٹر نبطلی کا قول اپنے عہد جدید کے دیباچہ جلد اول صفحہ ۲۶۳ میں نقل کرتے ہیں کہ ''جن لوگوں کے پاس صرف ایک ہی قلمی نسخہ بچا ہوا تھا جیسے رومی اور یونانی ان میں یہودی معلموں کے ایسے قصور پائے گئے ہیں اور ان کی اصلاح میں ایسے عیب ملے ہیں کہ باجود دو پوری صدیوں کے نہایت عالم اور تیز فہم نکتہ چینیوں کی محنتوں کے وہ کتابیں اب تک غلطیوں کا انبار ہیں اور اسی طرح رہیں گی۔'' (تفسیر حقانی، جلد چہارم، صفحہ ۵۳۸)

مولانا حقانی نے متذکرہ تمام حقائق کی روشنی میں یہ تجزیہ کیا ہے کہ کتبِ سابقہ میں ردوبدل اور تحریف وترمیم کی شہادت بیرونی اور اندرونی چیزوں سے خوب ملتی ہے۔ اسی طرح انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ پوپوں کے دور میں بھی اس میں کافی تبدیلی کی گئی۔

''جب پوپوں کا دور دورہ ہوا اور بت پرستی اور جہالت کی گھٹ عیسائیوں پر چھائی اور ۴۰۰ء عیسوی کے قریب شمال کی جانب سے بت پرست اور وحشی اور ظالم وجاہل قوموں نے قیصروں پر حملہ کیا اور جہاں ان کا غلبہ ہوا انھوں نے مدرسوں، کتب خانوں اور علم اور دین کی کتابوں کو جلا کر نیست و

نابود کر دیا، اس پُر آشوب حادثے سے شب تاریک سے زیادہ تاریکی عیسائیوں پر زمانہ دراز تک چھائی رہی اور اسی زمانے میں آفتاب ہدایت مکے سے جلوہ گر ہوا۔ اس حادثے کے بعد جب بدحواسی دور ہوئی تو پھر کتابوں اور علم کی درستی کی طرف التفات ہوا۔ اب خودغرضوں کو اور بھی تحریف وتبدیل کا موقع ہاتھ آیا۔ دیدہ دانستہ کتاب میں کم زیادہ کرنا اہلِ کتاب کا قدیم دستور ہے؛ بلکہ اپنے اغراض کے خلاف کتابوں کو جلا دینا بھی ان کا پیشۂ قدیم ہے؛ چنانچہ ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہد عتیق کے عبری تمام قلمی نسخے جن کا موجود ہونا اب ہم کو معلوم ہے ایک ہزار اور ایک ہزار چار سو ستاون عیسوی کے درمیان لکھے ہوئے ہیں۔ اس سے وہ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ اس سے پیشتر کے نسخے یہودیوں نے معدوم کر دیے اور بشپ والٹن اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں۔

عیسائیوں میں جعل سازی کا بازار تو پہلی صدی عیسوی سے ہی گرم ہو گیا تھا؛ چنانچہ پولس کے عہد میں جھوٹی انجیل اور جھوٹے واعظ پیدا ہو گئے تھے اور خود پولس بھی دین کے رواج دینے کے لیے جھوٹ بولنا پسند کرتا ہے۔ (دیکھو وہ خط جو رومیوں کو لکھا تھا اس کا باب تین) اور جب دوسری صدی میں مباحثے کے بعد ارجن کی رائے کو مان لیا گیا کہ غیر قوموں سے مباحثے کے وقت حکمار کا طور اختیار کر لینا چاہیے اس سے عیسائیوں کی راست بازی میں فرق آنے لگا اور اسی سبب سے جعلی تصانیف پیدا ہونے لگیں؛ کیوں کہ فیلسوف جب کسی کے طریقے کی پیروی کرتے تھے تو اس کے نام سے ایک کتاب تصنیف کر کے مشہور کر دیتے تھے، یہ دستور کئی سو برس تک رہا اور رومی کلیسا میں جاری رہا جو بہت ہی خلافِ حق اور قابل الزام شدید تھا (تاریخ کلیسا) ہارن صاحب اپنی تفسیر کی دوسری جلد (مطبوعہ لندن ۱۸۲۲ء صفحہ ۳۳۱) میں لکھتے ہیں کہ ''بلاشک بعض خرابیاں (تحریفات) جان بوجھ کر ان لوگوں نے کی ہیں جو کہ دین دار مشہور تھے اور اس کے بعد انھیں تحریفات کو ترجیح دی جاتی تھی؛ تاکہ اپنے مطلب کو قوت دیں یا اعتراض اپنے اوپر آنے نہ دیں۔'' (تفسیر حقانی، جلد چہارم، صفحہ ۵۳۹)

یہ تمام باتیں اس بات پر بین ثبوت ہیں کہ بائبل کو بدلنے میں کسی طرح کی کسر باقی نہیں رکھی ہے؛ اس لیے موجودہ بائبل یعنی تورات وانجیل اپنی اصلی حالت میں نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

علمی خیانت کی مثالیں

یہ حقیقت ہے کہ جس قدر خدا کی نازل کردہ کتاب کو انھوں نے تبدیل کر دیا محض اپنے ذاتی مفادات کے لیے وہ نہایت افسوس ناک امر ہے، اسی طرح انھوں نے علمی خیانت بھی کی ہے۔

مولانا حقانی نے لکھا ہے:

''جب سے مطبوع ہونا شروع ہوا ہے مطبوعہ نسخے صرف انجیل کے ملا کر دیکھیں پھر جرمن اور انگریزی اور فرنچ زبان کے مطبوعہ اور ان کے ساتھ اردو، فارسی اور عربی کے ترجمے بھی رکھ لیں پھر دیکھیے کیا کچھ تفاوت نہ صرف الفاظ میں؛ بلکہ مطالب ومعانی میں آپ کو معلوم ہوگا اور قلمی نسخوں کو بھی سامنے رکھ لو تو پریشان ہو جاؤ گے صرف اردو کے نئے اور پرانے چھپے ہوئے نسخوں کو ملاحظہ فرمایئے کہ پہلے لفظ ''فارقلیط'' لکھا جاتا تھا، جب دیکھا کہ اہلِ اسلام اس سے سند پکڑتے ہیں تو یہ لفظ ہی نکال ڈالا اور اس کی جگہ ''روح'' کا لفظ لکھ دیا کسی نے وہیں ''یعنی'' کر کے تفسیر یہی کر دی اور اس کو متن میں شامل کر دیا؛ تاکہ کسی کو کچھ پتہ نہ لگے'' (ایضاً، صفحہ ۵۳۹)۔

لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فارقلیط کے حوالے سے جو باتیں مولانا حقانی نے لکھی ہیں ان کو بھی پیش کر دیا جائے۔

یہ کس زبان کا لفظ ہے۔ اس میں کئی اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زبان خالدیہ کا لفظ ہے جو بابل اور اس کے اطراف کی زبان تھی اور اسی کو کلدیہ اور کلدانی بھی کہتے ہیں؛ مگر مجھے اس میں کلام ہے کس لیے کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی اور مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان عبرانی تھی جو ملک یہود یہ کی زبان ہے، آپ کو کلدانی زبان کا لفظ لینے کی کیا ضرورت تھی؛ مگر یہ ممکن ہے کہ کلدانیوں کے غلبے سے اس زبان کے الفاظ بھی عبرانی میں شامل ہو گئے ہوں، جیسا کہ اور زبانوں میں اختلاط ہوا اور ہوتا رہتا ہے، اس تقدیر پر یہ لفظ خاص منہ مبارک کا نکلا ہوا ہے، پھر یونانی میں یا تو اس کا ترجمہ پیرکلوطس کیا گیا یا تغیر کر کے لایا گیا جس کے معنی احمد کے ہیں۔ بشپ مارش اسی کے قائل تھے جو عیسائیوں میں مسلم شخص تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سریانی لفظ ہے یعنی ملک سیریا یا شام کی زبان کا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے۔ بشپ مذکور ان دونوں قولوں کو بھی مانتے ہیں؛ مگر زبان عرب میں اس کا پتہ نہیں معلوم ہوتا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عبرانی زبان میں پیشین گوئی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص نام احمد لیا؛ مگر جب اس کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو اس کے ہم معنی لفظ پیر کلوطوس کا ذکر کیا جس کا معرب فارقلیط ہوا اور یونانی زبان میں پیرکلوس ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوس کی جگہ پاراکلوس لکھ دیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوس تھا۔ دستی تحریروں کا غارت ہونا

اس گمان کی اور بھی تائید کرتا ہے۔ اور لفظ پیرکلوس ہومر وغیرہ شعراء وفضلاء کے استعمال میں آیا ہے جس کے معنی ستودہ ہیں جو محمد یا احمد کا ٹھیک ہم معنی ہے۔ (ایضاً، صفحہ ۵۴۳)

ان شواہد سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ لفظ فارقلیط کی بابت بائبل کے موجودہ نسخوں میں بڑی ردوبدل ملتی ہے اسی طرح یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ لفظ فارقلیط کو تحریف بھی کیا گیا ہے؛ اس لیے موجودہ بائبل کا بعینہٖ منزل من اللہ ماننا صحیح نہیں ہے۔

اس کے علاوہ ایک بڑی تائید اور بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ بعض عبرانی نسخوں میں اب تک آں حضرت ﷺ کا نام مبارک موجود ہے دیکھو پادری پاکھرست صاحب کی یہ عبارت ''وبادحمدہ خل بگوئیم'' از حمایت اسلام مطبوعہ بریلی ۱۸۸۳ء، صفحہ ۸۱-۸۴، ترجمہ اپالوجی از گاڈ فرے ہیگینس صاحب مطبوعہ لندن ۱۸۲۹ء (ایضاً)

علاوہ ازیں مولانا نے اپنی کتاب تفسیر میں ایک اور شہادت پیش کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے بائبل میں علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ یعنی انجیل یوحنا کی پیشین گوئی سے بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ فارقلیط سے مراد روح القدس نہیں ہے۔ ذیل میں اس پوری تفصیل کو مولانا حقانی نے نقل کیا ہے:

(۱) ''میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے'' اس سے مراد روح القدس نہیں ہوسکتا؛ کس لیے کہ وہ ہمیشہ ان کے ساتھ نہیں رہا؛ بلکہ ایک دن تھوڑی سی دیر تک پھر عمر بھر وہ بات نصیب نہیں ہوئی۔

(۲) ''روح حق تمہیں وہ سب باتیں جو میں نے کہیں بتادے گا'' روح القدس جب حواریوں پر اترا اس نے ان کو وہ سب باتیں جو مسیح نے کہی تھیں یاد نہیں دلائیں اور نہ وہ بھولے ہوئے تھے کہ یاد دلانا پڑتا؛ بلکہ مختلف زبانیں بولنے لگے تھے؛ البتہ بھولی ہوئی باتیں توحید وعبادات الٰہی ترک شہوات دار آخرت کی رغبت وغیرہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلائیں۔

(۳) ''میں نے واقع ہونے سے پہلے تو کو خبر کردی؛ تاکہ جب واقع ہو تو ایمان لاؤ'' اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک ایسی چیز کے واقع ہونے کی خبر دیتے ہیں کہ جس کا انکار ان سے قریب الوقوع تھا؛ اس لیے تاکید اور بندوبست کردیا کہ ایمان لائیں، انکار نہ کریں۔ یہ روح القدس کے نازل ہونے پر صادق نہیں آتا کس لیے کہ اول تو روح القدس کا نازل ہونا حواری پہلے بھی دیکھ چکے تھے۔ دوم وہ ایک حالت سی تھی جس پر طاری ہوا اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، ہاں خاتم المرسلین کا انکار بہت قریب القیاس

تھا اور اب تک ہو رہا ہے، حیلے بہانے بنا رہے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام کے کہنے کو بھی ٹال دیا۔

(۴) ''اس جہاں کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں'' روح القدس اور باپ یعنی خدا اور بیٹا یعنی عیسی علیہ السلام یہ تینوں تو عیسائیوں کے نزدیک ایسے ایک ہیں کہ مجموعہ مرکب بنا کر خدا کہا جاتا ہے، پھر روح القدس عیسی اور عیسی روح القدس ہیں، اگر وہ جہان کے سردار ہیں تو اب بھی جو کچھ ایک میں ہے وہ دوسرے میں ہے، پھر یہ جملہ اس پر کس طرح صادق آتا ہے کس لیے کہ وہ جہان کے نبی تھے اور نبی سردار ہوتا ہے، یہ اوصاف حضرت مسیح علیہ السلام میں کہاں تھے؟

(۵) ''فارقلیط اگر میرے لیے گواہی دے گا'' روح القدس نے اول تو گواہی نہیں دی اور جو دی بھی تو صرف حواریوں کے سامنے جس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی برخلاف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے تمام دنیا کے سامنے عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی دی۔ یہود کو ملزم کیا۔

(۶) ''میں نہ جاؤں تو فارقلیط تمہارے پاس نہ آئے''۔ یہ بھی روح القدس پر صادق نہیں آتا؛ کس لیے کہ روح القدس اور حضرت عیسی علیہ السلام کا تو اتحاد مانا جاتا ہے، پھر اگر نہ جاؤں تو نہ آئے کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ یہ بات آں حضرت ﷺ پر پوری طرح صادق آتی ہے؛ کس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آں حضرت ﷺ میں تقدم اور تاخر زمانی ہے آپ کا دور تمام نہ ہو لے تو دوسرا شروع نہ ہو۔

(۷) ''روح الحق آکر دنیا کو گناہ اور راستی اور عدالت پر سزا دے گا'' یہ بھی صرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے؛ کس لیے کہ روح نے کسی کو کچھ سزا تو کیا ملزم بھی نہیں کیا؛ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منکرین مسیح علیہ السلام کو خطا کار ہی ثابت نہیں کیا؛ بلکہ انتقام بھی لیا اور اس فقرے کے لفظ یہی اشارہ کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے کسی ذی شوکت منتقم کے آنے کی خبر دے کر حواریوں کو یہود کی جفا کاری اور ستم پروری پر تسلی دے رہے ہیں۔

(۸) ''روح تم کو ساری سچائی کی باتیں بتا دے گا'' روح القدس نے کوئی بات حواریوں کو نہیں بتائی، ہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھولے نصاریٰ کو ضرور راستہ بتایا۔

(۹) ''جو سنے گا وہی کہے گا اور غیب کی خبریں بتا دے گا'' روح القدس تو عیسائیوں کے نزدیک عین خدا یا جزو خدا ہے۔ پھر سننا چہ معنی؟ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ اس کے جزو وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے تھے (وما ینطق عن الھوی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دار آخرت اور صفات کے متعلق جو غیب ہے، سیکڑوں خبریں بتائیں جن کی ضرورت تھی؛ مگر عیسائیوں کے روح القدس نے اس روز کچھ نہ بتائیں۔

ان تمام ثبوت وشواہد کے بعد مولانا حقانی تجزیہ کے طور پر لکھتے ہیں۔''با ایں ہمہ جب وہ ''فارقلیط''، صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور اپنے ساتھ معجزات وآیات بینات بھی لایا، کما قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ تو ازلی گمراہوں نے بجائے اس کہ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وصیت کے مطابق قبول کرتے یہی کہہ دیا هٰذا سِحْرٌ مُبِيْن''(ایضاً،صفحہ۵۴۴-۵۴۵)

اس سطور کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ فارقلیط سے مراد انجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؛ البتہ عیسائی پادریوں نے اس سے مراد روح القدس کو لیا ہے، متذکرہ سطور میں مولانا حقانی نے نوشواہد انجیل یوحنا سے پیش کیے ہیں اور بتایا ہے کہ اس سے کیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں؛ اس لیے متذکرہ تمام باتوں سے جو نتیجہ اخذ ہوتا ہے وہ یہی کہ سابقہ کتب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت یہ پیشین گوئی موجود ہے۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی باتیں ان ناموں میں درج ہیں جن کو پڑھ کر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ الہامی اور منزل من اللہ کلام نہیں ہوسکتا ہے۔ مولانا حقانی کے یہ مباحث اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مطالعۂ مذاہب میں حقائق کا انکشاف اسی وقت ہوسکتا ہے؛ جب کہ اپ دیگر ادیان کا مطالعہ بڑی سنجیدگی سے کریں۔

نیز یہاں یہ بتانا بھی لازمی ہے کہ آج یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں اور اہل ہنود کے یہاں جو دینی اور مذہبی لٹریچر پایا جاتا ہے، وہ الہامی نہیں ہے۔ تورات اور انجیل تو الہامی کتابیں تھیں؛ لیکن ان میں بعد میں خرد برد کردی گئی۔ لہٰذا یہ کتابیں اب جس شکل میں ہیں وہ وہی تحریف وتبدیل شدہ ہیں۔ اسی طرح اہل ہنود کے یہاں شروتی کے نام سے جو دینی لٹریچر پایا جاتا ہے، اس کے بابت یہ بات طے شدہ نہیں ہے کہ اسے رشیوں نے لکھا ہے یا برہما کے منھ سے نکلا ہوا کلام ہے۔ رہا سوال پارسیوں کے دینی ادب کا تو یہ بات سطور بالا میں آچکی ہے کہ ان کی کتاب بھی الہامی نہیں ہے۔ موجودہ عہد میں اب بڑی تیزی سے معاشروں میں تکثیری روایتیں قائم ہورہی ہیں۔ ایک دوسرے کے قریب لوگ آرہے ہیں ایسے دور میں ضروری ہے کہ نفرتوں اور عداوتوں کا خاتمہ کیا جائے اور انسانی بنیادوں پر رشتوں وتعلقات کو ہموار کیا جائے۔ زیادہ تر سماجی فاصلوں کی وجہ انسانی غلط فہمیاں اور ایک دوسرے کے قریب نہ آنے کی وجہ سے ہیں۔ ان کا ازالہ اسی وقت ہوسکے گا کہ جب ہم علم وتحقیق کی بنیاد پر چیزوں کا تجزیہ کریں گے۔

❋ ❋ ❋

وراثت کی بنیاد پر اوقاف کی تولیت

از: مولانا عبید الرحمٰن
دارالافتاء والارشاد، مردان

اس وقت امت مرحومہ جس بدحالی اور بے دینی کا شکار ہے، وہ محتاج بیان نہیں، اس کے بنیادی اسباب میں سے اہم اور اساسی سبب ''اسلامی خلافت'' کا فقدان ہے جس کا کوئی دوسرا پائیدار متبادل موجود نہیں ہے؛ تاہم اسلامی معاشرہ میں وقف ادارے جزوی اور عارضی طور پر امت کے حق میں سودمند ثابت ہوسکتے ہیں اور ماضی وحال میں ان اداروں سے امت کو بڑا فائدہ پہنچ رہا ہے؛ تاہم بدقسمتی یہ ہے کہ متعدد عناصر کی بنیاد پر یہ فائدہ بھی تعداد وکیفیت دونوں لحاظ سے سکڑ رہا ہے، ان متعدد عناصر میں سے ایک اہم عنصر یہ ہے کہ متولی بننے، بنانے میں اہلیت ولیاقت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا؛ بلکہ وراثت یا تعلق وغیرہ بنیادوں پر کسی کو اس اہم کام کے لیے نامزد کردیا جاتا ہے۔ یہاں صلاح واصلاح کے جذبے سے اس کے متعلق چند ضروری باتیں درج کی جاتی ہیں۔

تولیت کا معیار اور اس کے ضروری شرائط

حضرات فقہائے کرام کے ہاں یہ بات مُسلّم ہے کہ وقف کا مُتولی وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں درج ذیل شرائط موجود ہوں:

۱- امین اور دیانت دار ہو، خیانت کرنے والا نہ ہو۔ جو شخص خیانت کرنے والا ہو یا اس کے بارے میں خیانت کرنے کا اندیشہ ہو، وہ متولی بننے کا اہل نہیں۔

۲- وقف سے متعلق تمام تر ذمہ داریوں کو درست طریقے سے انجام دینے کی اہلیت واستطاعت رکھتا ہو۔ اگر ایک شخص بہت ہی نیک ودیانت دار ہو؛ لیکن وقف کی مطلوبہ ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کسی وجہ سے کوتاہی کرتا ہو، چاہے یہ کوتاہی ناتجربہ کاری کی بنیاد پر ہو، مزاج ومذاق کی وجہ سے ہو، شعور کی کمی کی وجہ سے ہو، یا کسی بھی بنیاد پر ہو، تو ایسا شخص متولی بننے کا اہل نہیں ہے۔

۳- وہ خود متولی بننے اور بنائے جانے کا مطالبہ نہ کرے، کوئی شخص خود ہی متولی بننے کا مطالبہ کرتا ہے تو (عام حالات میں) ایسا شخص بھی اس منصب کا اہل شمار نہیں ہوگا۔

۴- بہت سے اہلِ علم نے اس کے ساتھ ساتھ ''عدالت'' کو بھی شرط قرار دیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ متولی تقویٰ اور مروت، دونوں سے مالا مال ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص کبیرہ گناہ کرتا ہے اور اس سے توبہ نہیں کرتا، یا صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو ایسا شخص بھی ان اہل علم کے نزدیک متولی بننے کی لیاقت نہیں رکھتا۔

حضرات فقہائے کرام کی تصریحات

وقف کے مسائل سے متعلق فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''الاسعاف'' میں ہے:

"لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن، لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز لأن المقصود لا يحصل به ويستوى فيها الذكر والأنثى وكذلك الأعمى والبصير وكذلك المحدود فى قذف إذا تاب لأنه أمين. رجل طلب التولية على الوقف قالوا: لا تعطى له وهو كمن طلب القضاء لا يقلد"(۱).

ترجمہ: ''جو شخص امانت دار ہو اور وقف کی ذمہ داری بذات خود یا کسی نائب کے ذریعے نبھانے پر قادر ہو، اُسے ہی متولی بنایا جائے؛ کیونکہ یہ ذمہ داری مصلحت کی بنیاد پر دی جاتی ہے اور خائن کو ذمہ داری سپرد کرنے میں کونسی مصلحت ہوسکتی ہے؟ وہ تو مقصد کے حصول میں رکاوٹ بنتا ہے۔ نیز جو شخص ذمہ داری ادا کرنے پر قادر نہ ہو اسے بھی مقصد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ ذمہ داری سپرد نہیں کی جائے گی۔ اس معاملہ میں مرد و عورت برابر ہیں، اسی طرح بینا اور نابینا بھی، محدود فی القذف جس نے توبہ کیا ہو؛ چونکہ وہ بھی امین ہے۔ اگر کوئی خود متولی بننے کی خواہش ظاہر کرے تو اسے متولی نہ بنایا جائے، جیسا کہ منصب قضا کے خواہش مند کو یہ ذمہ داری نہیں سونپی جاتی''۔

''تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ'' میں ہے:

(سئل) فى الصالح للنظر من هو؟ (الجواب): هو من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف، هكذا فى فتح القدير وفى الإسعاف لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو نائبه ويستوى فى ذلك الذكر والأنثى (۲).

ترجمہ: ''فتح القدیر میں ہے کہ وقف کی ذمہ داری کے لیے زیادہ مناسب وہ شخص ہے جو خود ذمہ

داری طلب نہ کرے نیز وہ ظاہری طور پر فاسق بھی نہ ہو۔اسعاف میں ہے کہ جوشخص امانت دار ہواور وقف کی ذمہ داری بذات خود یا کسی نائب کے ذریعے نبھانے کی صلاحیت رکھتا ہو،اسے ہی متولی بنایا جائے خواہ مرد ہو یا عورت''۔

کویت کے''موسوعہ فقہیہ''میں ہے:

مَا يُشْتَرَطُ فِي الْمُتَوَلِّي: يُشْتَرَطُ فِي الْمُتَوَلِّي عِنْدَ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ الْعَدَالَةُ وَالْقُدْرَةُ عَلَى التَّصَرُّفِ وَالْأَمَانَةُ.(۳)

ترجمہ:''اکثر فقہائے کرام کے نزدیک متولی کے لیے عدالت،امانت اور متعلقہ کام بخوبی ادا کرنے کی لیاقت شرط ہے''۔

خیانت کا مفہوم

یہاں اس غلط فہمی کو بھی دور ہونا چاہیے جو''امانت''اور''خیانت''کے متعلق عام ہے کہ اس کو صرف مالی امور ومعاملات کے ساتھ خاص سمجھا جاتا ہے، جوشخص مالی امور میں غبن نہیں کرتا،اس کو بہرحال امانت دار خیال کیا جاتا ہے۔یادرہے کہ یہ''امانت''کا ادھورا تصور ہے،امانت اور خیانت کا تعلق صرف مالیات کے ساتھ خاص نہیں؛ بلکہ وقف سے متعلق تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ اس کا تعلق ہے؛ لہٰذا جس طرح وقف کے اموال میں بے جا تصرف کرنا خیانت ہے یوں ہی وقف کی ذمہ داریوں کو درست طریقہ سے نہ بجالانا بھی خیانت ہی کی ایک شاخ اور اسی کی ایک صورت ہے،جس طرح مالیات میں غبن اور کوتاہی کرنے والا متولی بننے کا اہل نہیں ہے، یوں ہی تولیت کے فرائض اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا بھی اس بارگراں کے لائق نہیں۔

متولی کے فرائض اور ذمہ داریاں

رہاں یہ سوال کہ متولی کی کیا ذمہ داریاں ہیں جن میں کوتاہی کرنا خیانت کہلاتا ہے، جواب یہ ہے کہ بنیادی طور پر متولی کی درج ذیل ذمہ داریاں ہیں:

۱-متعلقہ وقف کے مقاصد کا تحفظ کرنا:اوقاف کی متنوع صورتیں ہوسکتی ہیں، پھر وقف کرنے والے شخص کو بھی شریعت نے اختیار دیا ہے کہ چاہے تو وقف کرتے وقت کچھ شرائط لگائے،ان شرائط کی رعایت رکھنا ضروری ہے،متولی کی ذمہ داری ہے کہ ان تمام باتوں کی رعایت رکھے۔

۲-وقف کے منافع اور فوائد کو شرعی ضوابط کے مطابق ہی استعمال کرلیا کرے۔یہ منافع مال کی شکل میں بھی ہوسکتے ہیں اور منافع وسہولیات کی صورت میں بھی۔ہرقسم کے منافع کو شرعی دائرۂ کار کے

اندر رہتے ہوئے استعمال کرتے رہنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر مسجد ایک وقف ادارہ ہے، نقد رقم کی شکل میں اس کا کچھ فنڈ بھی ہوسکتا ہے، اس میں پانی، بجلی وغیرہ کی سہولیات بھی دستیاب ہوتی ہیں، اب ان پیسوں کو کہاں اور کس طرح خرچ کرنا چاہیے؟ پانی اور بجلی وغیرہ کی سہولیات کو کہاں کس حد تک استعمال کیا جاسکتا ہے؟ کون ان سہولیات سے کہاں تک استفادہ کرسکتا ہے؟ مسجد کی زمین کو کن کن کاموں میں کہاں تک اور کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے؟ یہ، اور اس نوعیت کی تمام باتوں میں شرعی احکام وضوابط کی پابندی کرتے رہنا ضروری ہے اور یہ تولیت کے منصب کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔

۳- وقف کو درپیش مسائل ومعاملات میں متعلقہ وقف کے مصالح کا بھرپور تحفّظ کرتے رہنا۔ وقف ادارہ کو خرید وفروخت، کرایہ داری کے معاملات بھی پیش آسکتے ہیں، کوئی اس کے خلاف کچہری میں دعوی بھی کرسکتا ہے، بعض اوقات خود وقف کے لیے بھی دعوی کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے، ان جیسے تمام معاملات میں متعلقہ وقف کے مصالح کا اچھی طرح نگہداشت کرتے رہنا بھی متولی کی ذمہ داری اور اس کا فرضِ منصبی ہے۔

متولی نامزد کرنے کا مناسب طریقۂ کار

کسی بھی وقف ادارہ کے متولی کو نامزد کرنے کا مناسب طریقۂ کار یہ ہے:

۱- اگر وقف کرنے والا شخص خود متولی بننے کی اہلیت رکھتا ہے اور عملی طور پر بھی اس کی ذمہ داریاں ٹھیک طریقے سے انجام دے سکتا ہے، تو وہ متولی بن جائے۔

۲- اگر خود لیاقت نہ رکھتا ہو، یا لیاقت تو رکھتا ہے؛ لیکن عملی طور پر مشاغل وغیرہ کی وجہ سے متعلقہ ذمہ داریاں انجام دینا مشکل ہے تو کسی ایسے معتمد شخص کو متولی نامزد کرلے جو درج بالا شرائط وکوائف پر پورا اترتا ہو۔

۳- وقف نامہ تحریری طور پر محفوظ رکھ لے، اور اس میں اس بات کی بھی صراحت کرے کہ فلاں کو ان شرائط وکوائف کی بنیاد پر فلاں فلاں مقاصد واہداف کے لیے متولی مقرر کیا گیا ہے، اگر وہ ان ضروری کوائف کا حامل نہ رہے تو اس کا حق تولیت بھی نہ رہے گا اور اس کے بعد بھی ہمیشہ کے لیے ایسا ہی آدمی اس کا متولی رہے گا جو فلاں فلاں شرائط وکوائف کا حامل ہو، اور تولیت کے اس منصب پر اسی وقت تک برقرار رہے گا؛ جب تک وہ ان شرائط کا حامل اور ان پر عامل ہو۔

اسوۂ فاروقی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ''ثمغ'' نامی ایک جگہ ملی تھی جو بڑی نفیس اور قیمتی زمین

تھی، حضور ﷺ کے ساتھ بات چیت کرنے کے بعد آپ نے اس کو وقف کیا اور وقف نامہ میں یہ بھی تحریر فرمایا:

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا مَا أَوْصَى بِهِ عَبْدُ اللَّهِ عُمَرُ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ حَدَثَ بِهِ حَدَثٌ أَنَّ ثَمْغًا وَصِرْمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَالْعَبْدَ الَّذِي فِيهِ وَالْمِائَةَ سَهْمٍ الَّتِي بِخَيْبَرَ وَرَقِيقَهُ الَّذِي فِيهِ، وَالْمِائَةَ الَّتِي أَطْعَمَهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوَادِي تَلِيهِ حَفْصَةُ مَا عَاشَتْ، ثُمَّ يَلِيهِ ذُو الرَّأْيِ مِنْ أَهْلِهَا أَنْ لَا يُبَاعَ وَلَا يُشْتَرَى يُنْفِقُهُ حَيْثُ رَأَى مِنَ السَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ وَذَوِي الْقُرْبَى، وَلَا حَرَجَ عَلَى مَنْ وَلِيَهُ إِنْ أَكَلَ أَوْ آكَلَ أَوِ اشْتَرَى رَقِيقًا مِنْهُ"(۴)

ترجمہ: ''یہ وصیت نامہ اللہ کے بندے امیر المؤمنین (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے ہے۔ اگر میرے ساتھ کوئی حادثہ پیش آئے تو ''ثمغ'' اور ''صرمہ بن اکوع'' والی جائیداد اور وہ غلام جو وہاں ہیں اور خیبر (کی غنیمت سے حاصل شدہ) سو حصے اور اس میں جو غلام ہیں اور وہ سو حصے جو حضور ﷺ نے وادی ''قر'' میں اپنے اہل وعیال کے اخراجات کے لیے چھوڑے ہیں ان کی متولی حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا ہوں گی؛ جب تک زندہ رہیں، ان کے بعد ان کے اہل میں سے صاحبِ رائے اس کے متولی ہوں گے۔ اور شرط یہ ہے کہ اس جائیداد کو نہ بیچا جائے گا نہ خریدا جائے گا۔ متولی اپنی صوابدید کے مطابق گداگروں، ناداروں اور قرابت داروں میں خرچ کرے گا اور اس کے خود کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں، مہمانوں کو کھلائے یا غلام خریدے''۔

اس عبارت کا خط کشیدہ حصہ معنی خیز ہے، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی بیٹی اور حضور نبی اکرم ﷺ کی اہلیہ محترمہ ہیں، اس کو متولی بنایا کہ جب تک وہ زندہ رہے، اس کی متولی رہے گی، اس کے انتقال کے بعد کون متولی ہوگا؟ اس کا بھی فیصلہ فرمادیا کہ ان کے اہل میں سے جو شخص ''اہل رائے'' ہو، وہی اس کا متولی قرار پائے گا اور حضرات صحابۂ کرامؓ کے ہاں ''اہل رائے'' وہی شخص سمجھا جاتا ہے جو دیندار اور عقل مند ہو۔

وقف کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وقف ناموں میں اس بات کی صراحت کرلیا کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اہل وعیال یا خاندان کا ہر فرد تولیت کے منصب پر براجماں ہوکر وقف کے حقیقی مقاصد میں خلل انداز نہ ہوسکے گا؛ بلکہ صرف وہی افراد اس ذمہ داری کو سر لے سکیں گے جو اس کی اہلیت ولیاقت رکھتے ہیں اور یوں وقف کے مقاصد درست طریقے سے پورے ہوتے رہیں گے جس سے امت کا بھی فائدہ ہوگا اور وقف کرنے والے کے نیک اعمال میں بھی اس حساب سے اضافہ

ہوتا رہے گا۔

موجودہ صورتِ حال اور اس کے نقصانات

اس وقت وقف کے جن اداروں کی تولیت عام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، ان میں عام طور پر رواج یہ ہے کہ خاندان اور وراثت کی بنیاد پر تولیت منتقل ہوتی ہے، مدارس، خانقاہ اور مساجد وغیرہ میں یہی ترتیب چل رہی ہے، متولی اگر انتقال کر جاتا ہے تو اس کے بعد اس کا بیٹا اس کا منصب سنبھال لیتا ہے، بیٹا نہ ہو تو اس کا بھائی، چاہے یہ بیٹا / بھائی متعلقہ منصب کو سنبھالنے کی شرعی اور معاشرتی اہلیت ولیاقت رکھتا ہو یا نہ، بہرصورت اس کو نامزد کر دیا جاتا ہے، کوئی نامزد نہ بھی کرے تو بھی خود بخود وہ نامزد ہو جاتا ہے۔ ہمارے ملک کے بڑے جامعات و مدارس میں ایسے گنتی کے چند مدارس ہی ہیں جو اس رواج سے پاک ہیں اور وہاں باقاعدہ شرعی ضابطہ ومزاج کے مطابق اہلیت ولیاقت کو دیکھ کر کسی کو مہتمم نامزد کیا جاتا ہے۔

اس غلط رواج کے دسیوں نقصانات ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے کہ:

الف: اجتماعی نظم سے دین داری کی سلطنت ختم ہو جانے کے بعد اب معاشرے میں دین داری کا بڑا سرچشمہ یہی دینی ادارے ہیں، نااہل لوگوں کو ان پر براجمان ہو جانے کی صورت میں پوری ملت کا نقصان شروع ہو جاتا ہے۔

ب: متعلقہ وقف کے تقاضے ادھورے رہ جاتے ہیں۔

ج: شعوری یا لاشعوری طور پر وقف کے معاملہ میں خیانتوں کا تسلسل شروع ہو جاتا ہے، جو وقف جس قدر وسعت رکھتا ہو، خیانتوں کا سرا بھی اسی قدر لمبا ہوتا ہے۔

د: معاشرے کو رجالِ کار ملنا کم ہو جاتا ہے؛ بلکہ رجال کار پیدا ہو جانے کا راستہ ہی مخدوش ہو جاتا ہے۔

بعض علماء کی تحقیق: ابتداع کا پہلو

بعض اہل علم نے دینی مناصب کو وراثت کی بنیاد پر سپرد کرنے کو بدعات میں سے شمار فرمایا ہے، چنانچہ علامہ قرافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(القسم الثانی): محرم، وهو بدعة تناولتها قواعد التحريم وأدلته من الشريعة كالمكوس والمحدثات من المظالم المنافية لقواعد الشريعة كتقديم الجهال على العلماء وتولية المناصب الشرعية من لا يصلح لها بطريق التوارث وجعل المستند لذلك

كون المنصب كان لأبيه، وهو فى نفسه ليس بأهل.(۵)

ترجمہ:''شریعت کے قواعد اور دلائل سے جس بدعت کی حرمت معلوم ہو وہ حرام ہے۔ مثلا: مختلف قسم کے ٹیکس اور نت نئے مظالم جو شرعی احکام کے سراسر خلاف ہیں۔ مثلا: جہلاء کو علماء کرام پر فوقیت دینا، دینی مناصب محض وراثت کے طور پر اس دلیل کی بنیاد پر حوالہ کرنا کہ اس کا باپ متولی تھا جب کہ وہ شخص اس کا بالکل اہل نہ ہو''۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ ''بدعات عادیہ'' پر بات کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وأَما الْعَادِيَّةُ: فَاقْتَضَى النَّظَرُ وُقُوعَ الْخِلَافِ فِيهَا، وأَمثلتها ظَاهِرَةٌ مِمَّا تَقَدَّمَ فِى تَقْسِيمِ الْبِدَعِ، كالمُكُوس، والمحدثات مِنَ المَظَالِم، وَتَقْدِيمِ الْجُهَّالِ عَلَى العلماءِ فِى الولايات العلمية، وتولية المناصب الشريفة من ليس لها بأَهل؛ بل بِطَرِيقِ الْوِرَاثَةِ، وإِقامة صُوَرِ الأَئمة وَوُلَاةِ الأُمور وَالْقُضَاةِ.(۶)

ترجمہ:''پہلے بدعت کی تقسیم کے ضمن میں عبادات کے علاوہ عادات میں بدعات کی مثالیں واضح ہوچکی ہیں، مثلا: مختلف قسم کے ٹیکس نافذ کرنا، نت نئے مظالم، علمی مناصب میں جہلاء کو علماء پر فوقیت دینا، اہم مناصب نااہل لوگوں کے سپرد کرنا؛ بلکہ وراثت کے طور پر دینا ائمہ کرام، خلفاء اور قاضیوں کی مورتیاں نصب کرنا''۔

درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ تولیت کا مقام سنبھالنے کے لیے کچھ شرائط ہیں جو شخص ان شرائط پر پورا نہ اترتا ہو، اس کو متولی بنانا، یا اس کا از خود متولی بننا شرعاً جائز نہیں ہے، ایک تو خود یہ اقدام کرنا شرعاً غلط اور مذموم ہے اور ساتھ اس کے نتیجے میں بہت سے منکرات ومفاسد پیدا ہوجاتے ہیں؛ اس لیے اس کے ناجائز ہونے میں تو شبہ نہیں ہے؛ البتہ بدعت ہے یا نہیں؟ تو اگر اس غلط اور مذموم رواج کو شرعی حکم کا درجہ دیا جائے یا وراثت کو شرعی استحقاق کا سبب گردانا جائے تو بدعت ہونے میں بھی شبہ نہیں اور اگر کوئی اس حد تک تجاوز نہ کرے تو بدعت نہیں ہے۔ جن اہل علم نے اس کو بدعات میں سے شمار فرمایا ہے، وہ اسی صورت پر محمول ہے، ''الفروق'' پر ''تہذیب الفروق'' کے نام سے علامہ محمد بن علی بن حسین مالکی رحمہ اللہ کا ایک حاشیہ ہے، اس میں ہے:

"وكذلك تقديم الجهال على العلماء وتولية المناصب الشريفة من لا يصلح لها بطريق التوريث فإن جعل الجاهل فى موضع العالم حتى يصير مفتيا فى الدين ومعمولا بقوله فى الأموال والدماء والأبضاع وغيرها محرم فى الدين فقط. وأما كون ذلك

يتخذ ديدنا حتى يصير الابن مستحقا لرتبة الأب وإن لم يبلغ رتبة الأب فى ذلك المنصب بطريق الوراثة أو غير ذلك بحيث يشيع هذا العمل ويطرد ويرده الناس كالشرع الذى لا يخالف بأن يعبروا عنه كما يعبر عن القاعدة الشرعية الكلية من مات عن شيء فنصيبه لولده ففيه جهتان جهة كونه بدعة بلا إشكال، وجهة كونه قولا بالرأى غير الجارى على العلم هو الذى بينه النبى -صلى اللّٰه عليه وسلم- بقوله حتى إذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤساء جهالا فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا". (۷)

ترجمہ: ''جہلاء کو علماء پر فوقیت دینا، اہم مناصب نااہل لوگوں کو وراثت کے طور پر سپرد کرنا (یہ بھی بدعات کی شکلیں ہیں) چنانچہ عالم کی جگہ جاہل کا فتویٰ (اور قضاء) کا منصب سنبھالنا اور اس کی بات کو معاملات، خون بہا، اور نکاح غیرہ معاملات میں فیصلے کی حیثیت دینا شرعاً حرام ہے۔ نیز وراثت کی بنیاد پر دینی مناصب کو تقسیم کرنا کہ بیٹا نااہلی کے باوجود محض وراثت کی بنیاد پر باپ کے منصب کا مستحق ٹھہرے اور یہ معاملہ اس طرح جاری وساری ہو کہ لوگ اسے دینی حکم سمجھ کر اس کی مخالفت کو گناہ سمجھیں، اسے دینی ضابطہ کی حیثیت دی جائے کہ جو بھی کسی منصب پر فائز ہو تو اس کے فوت ہونے کے بعد بیٹا ہی اس کا وارث ہوگا تو اس میں دو جہتیں ہیں: ایک لحاظ سے بدعت ہے اور بدعت ہونے میں کوئی اشکال کی بات بھی نہیں (کیونکہ تسلسل اور عام رواج کی وجہ سے نئی نسل اسے شرعی حکم اور شرعی ضابطہ سمجھیں گے) دوسری جہت جہالت کی ہے کہ علم وتحقیق سے عاری بات ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے بہت پہلے اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ: ''جب عالم نہ رہے تو لوگ اپنے ناواقف سربراہان کو مقتدی بنا کر اس سے دینی رہنمائی حاصل کریں گے اور وہ بھی علم کے بغیر جواب دیں گے وہ خود بھی گم راہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گم راہ کریں گے''۔

حاصلِ تحریر

۱- وقف اداروں کا متولی بننا کوئی عام دنیوی معاملہ نہیں ہے، جس کو رائج طور وطریقے سے نمٹایا جائے؛ بلکہ یہ ایک شرعی معاملہ ہے جس کے لیے شریعت نے ایک ضابطہ مقرر فرمایا ہے، تولیت کا بوجھ سنبھالنے کے لیے کچھ شرائط مقرر فرمائے ہیں، اگر کسی میں وہ شرائط موجود نہ ہوں تو نہ خود اس کا کسی وقف ادارے کا متولی بننا جائز ہے اور نہ ہی دیگر افراد کا ایسے نااہل شخص کو متولی بنانا درست ہے۔

۲- ایسے کل تین یا چار شرائط ہیں، جن کی تفصیل درج بالا سطور میں تحریر کی گئی ہے۔

۳- نااہل شخص کو متولی بنانا خود تو ہے ہی غلط اور مذموم، اس کے نتیجے میں بھی بہت سی غلطیاں

اور منکرات ومفاسد پیدا ہوجاتے ہیں، فی زمانہ اس کی وجہ سے امت کا اجتماعی طور پر بھی بڑا نقصان ہوتا ہے۔

۴- ہمارے ہاں اس وقت جو رواج ہے کہ وراثت کی بنیاد پر متولی نامزد کیا جاتا ہے چاہے اس میں اہلیت نہ بھی ہو، یہ بالکل غلط، مذموم اور قابل اجتناب رواج ہے۔

۵- بعض اہل علم کے ہاں یہ بدعت ہے جس کی توجیہ سابقہ سطور میں درج کی گئی ہے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کے حال پر خصوصی رحم وکرم فرمائیں اور ہمیں پوری استقامت اور تندہی کے ساتھ اپنے صراط مستقیم پر چلائے رکھے!

❊ ❊ ❊

حواشی

(١) الإسعاف فی أحکام الأوقاف باب الولایة علی الوقف،ص:49.

(٢) العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الوقف، الباب الثالث فی أحکام النظار وأصحاب الوظائف، ج1ص196.

(٣) الموسوعة الفقهیة الکویتیة، مَتَوَلِّی، مَا یُشْتَرَطُ فِی الْمُتَوَلِّی،ج36ص 101.

(٤) سنن أبی داود، کتاب الوصایا، باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف، ج3 ص 117.

(٥) الفروق للقرافی = أنوار البروق فی أنواء الفروق، الفرق الثانی والخمسون والمائتان بین قاعدة ما یحرم من البدع وینهی عنه وبین قاعدة ما لا ینهی عنه منها، جز 4 ص 202.

(٦) الاعتصام للشاطبی ت الشقیر والحمید والصینی الْبَابُ السَّابِعُ فِی الِابْتِدَاعِ هَلْ یَدْخُلُ فِی الْأُمور العادیة؟ أَم یختص بالأُمور الْعِبَادِیَّةِ؟، ج2 ص 416.

(٧) الفروق للقرافی مع تهذیب الفروق والقواعد السنیة فی الأسرار الفقهیة، الفرق الثانی والخمسون والمائتان بین قاعدة ما یحرم من البدع وینهی عنه وبین قاعدة ما لا ینهی عنه منها، جز4 ص 223.

❊ ❊ ❊

ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل اور آج کا مسلمان

اسلامی تعلیمات پر ''لبرل ازم'' کے اثرات مسلمانوں کی تہذیبی اور معاشرتی تنزلی کا پیش خیمہ

از: اے. آزاد قاسمی

زمین پر انسانی وجود کے پہلے دن سے ہی لوگ گروہوں میں رہنے کے متلاشی تھے، وہ قبیلہ درقبیلہ الگ الگ گروہوں میں رہنے کو پسند کرتے تھے، جو انسانی فطرت کے عین مطابق بھی تھا، اس طرح رہنے کو ہی معاشرتی زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے، موجودہ وقت میں ہمارے درمیان ایک ایسے معاشرہ کی تعریف پیش کی جارہی ہے جس میں انسانی تقدس سے انحراف اور خاندانی وجود سے انکار کا اشاریہ بکثرت پایا جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں ہماری نئی نسل لبرل ازم اور مادیت پرستی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس پر قدغن لگانے کے لیے ارباب حل وعقد کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہیے، ہماری ملی تنظیمیں اس وقت جاگتی ہیں جب معاملات دگرگوں ہوجاتے ہیں یا ہاتھ سے نکل چکے ہوتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ اکثر ملی تنظیموں کی سائٹ پر اصلاح معاشرہ کے نام سے پروگراموں اور منصوبوں کی لمبی چوڑی لسٹ مل جاتی ہیں؛ لیکن زمینی سطح پر اس کے اثرات اس طرح نظر نہیں آتے جس کا یہ میدان متقاضی ہے، اب تو حالات اس قدر بدتر ہوتے جارہے ہیں کہ ملت کی ایک بڑی تعداد ارتداد والحاد کی طرف اپنے قدم بڑھا چکی ہے۔ جہاں سے اسے راہ راست پر لانا ایک مشکل مرحلہ بنتا جارہا ہے، اس طرح کی پیچیدگیاں کیوں ہیں اور یہ مایوس کن فکر ہمارے بچوں میں کہاں سے آرہی ہیں؟ یہ ایک توجہ طلب امر ہے، اس تعلق سے ملی رہنماؤں، شعبۂ تعلیم سے منسلک افراد اور سماجی کارکنان کو ملت کی معاشرتی طرز عمل کا تجزیہ کرنا چاہیے، خواص اور عوام میں درآئی لکیروں کو دور کرنے اور ان کے فکری توازن کو برقرار رکھنے کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

حالیہ پس منظر میں سماجی ومعاشرتی طور پر دیکھا جائے تو مادیت پرستی اور لبرل ازم سے متصادم

منظرنامہ میں عالمی سطح پر ایک آئیڈیل معاشرہ کے لیے بہت سی آراء پائی جاتی ہیں، جن میں مختلف النوع قسم کی تعریفیں متعارف ہیں، لبرل ازم سے متاثرہ سماج کی تعریف کچھ اس طرح کی جاتی ہے کہ آپسی مماثلت، روشن خیالی کی ایسی تصویر اور قیاس پیش کی جائے کہ لوگ اس کی خوشنمائی، حریت پسندی میں کھوئے رہیں، لبرل ازم کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ یہ سولویں صدی عیسوی کے اوائل میں یورپ کے بیشتر ممالک میں اپنی جڑیں گاڑنے میں کامیاب ہوگئی تھیں، لوگوں نے اس کی آزاد اور روشن خیالی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کے چنگل میں کچھ اس طرح جکڑ دیے گئے کہ اس سے چھٹکارا پانا اب اس قوم کے لیے ممکن نہیں رہا، دین ومذہب اب ان کے نزدیک ایک اضافی چیز شمار ہونے لگی ہے، لبرل ازم نے جس طرح یورپی معاشرہ کو متاثر کیا اب اس کی حیا سوز سہل پسندی، چمک دمک سے مسلم معاشرہ تیزی کے ساتھ متاثر ہورہا ہے؛ کیونکہ لبرل ازم کے پیروکار کے اہداف میں مسلم معاشرہ میں ذہنی وتہذیبی مساوات، دین سے بیزاری کو پروان چڑھانا سرفہرست ہے، جس کے اثرات سے آج مسلم معاشرہ کا ایک بڑا طبقہ متاثر ہورہا ہے جب کہ اسلامی تعلیمات اپنے ماننے والوں کے لیے ہر موقع پر کامیاب رہنما خطوط متعارف کراتی ہیں، سماجی معاشرہ کو فطرت سے قریب تر ماحول کا پابند دیکھنا چاہتی ہیں، معاشرتی، تہذیبی اور تمدنی خوبی کی تلقین کرتی ہیں جو اسلامی تعلیمات سے ماخوذ ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی رہن سہن کے لیے متاثر کن ثابت ہوں، اسلام خاص کر اپنے پیروکار کو معاشرہ کی تشکیل میں شریعت کے اصولوں کو ہر آن ملحوظ خاطر رکھنے کا بھی پابند دیکھنا چاہتا ہے؛ تاکہ اسلامی معاشرہ لوگوں کے لیے ایک مثال اور نمونہ بن سکے؛ لیکن موجودہ دور میں کیا ہم اسلامی معاشرہ کے لیے وضع کردہ خطوط پر گامزن ہیں، معاف کیجیے گا! عالمی سطح پر جو پیمانہ ایک صحت مند معاشرہ کے لیے متعارف ہے اس کے برتنے میں بھی ہم دیگر اقوام سے بہت پیچھے ہیں، ہمارا معاشرہ مذہب کے تعلق سے کہیں نہ کہیں جذباتیت کا شکار ہے جو ایک ذہنی مرض کے مترادف ہے، اس طرح کی جذباتیت بعض اوقات ہمارے معاشرہ کے لیے نقصان کا باعث بنتا ہے، سماجی فلاح وبہود کی تشکیل میں اسلامی شریعت نے جس قدر انسان کو فطرت سے قریب کرنے پر زور دیا ہے اس کی تعلیمات سے ہم بہت پہلے ہی دور جاچکے ہیں، ایک صالح معاشرہ کی تشکیل میں مسلم معاشرہ جس قدر شریعت کی پامالی کا مرتکب ہورہا ہے وہ ایک لمحہ فکریہ ہے، اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ہمارا معاشرہ پوری طرح سے پراگندہ ہوچکا ہے، ہم داخلی طور پر آپسی رسہ کشی اور مادیت پرستی کی ہوس سے اپنے کو فارغ نہیں کرپارہے ہیں، ان عیوب کے ساتھ ہمارے لیے کوئی اخلاقی جواز نہیں بچتا ہے کہ ہم کسی پر انگلی

اٹھاسکیں یا کسی غیر مسلم معاشرہ پر نکیر کرسکیں، اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنے کو ایک صالح اور پاک معاشرہ کی تشکیل کے لیے بیدار کریں؛ کیونکہ موجودہ کشمکش کے دور میں اندورنی خلفشار نے ہمیں اخلاقی ومعاشرتی طور پر پژمردہ کردیا ہے، نتیجہ یہ ظاہر ہورہا ہے کہ ہم اپنی تہذیبی وتمدنی وراثت سے دور ہوتے جارہے ہیں، جس نے ہمارے فکرونظر کو ایک طرح سے مفلوج کررکھا ہے۔

آج ہم جن سماجی برائیوں کے شکار ہورہے یا کیے جارہے وہ ہمارے معاشرے کو کھوکھلا کرچکی ہیں، خاص کر مسلم سوسائٹی میں اخلاقی پسماندگی اور باہمی چپقلش جس شدومد کے ساتھ دیکھی جارہی ہے۔الامان والحفیظ، اس معاشرتی بدتہذیبی کو سپرقرطاس کرنے میں بھی کراہت محسوس ہوتی ہے، کیا ہم جہالت کی اس گیرائی میں جاپہنچے ہیں جہاں سے واپس آنا اب ہمارے بس میں نہیں؟، ہمارے اندر مادیت پرستی کی ہوس اس درجہ اپنی جڑیں مضبوط کرچکی ہے جس سے چھٹکارا پانا فی الحال ناممکن سا لگ رہا ہے، حقیقت یہ بھی ہے کہ اب ہمارا اعتماد اپنے خواص پر بھی کم ہوگیا ہے، ان کی باتوں سے ان سنی کی جارہی ہے جس کی وجہ سے بھی ہم عدم تحفظ، ذہنی پسماندگی اور معاشی طور پر الجھنوں کا شکار ہورہے ہیں۔ہمیں نہیں معلوم کب تک ہم اس طرح کے لاابالی پن سے نبردآزما رہیں گے؟، کسی اہل دانش نے کہا تھا کہ ''جب معاشرہ میں مادیت پرستی عام ہوجائے تو تخلیقی سوچ ناپید ہوجاتی ہے، اور تخریبی سوچ ایک نئے روپ میں جنم لیتی ہے جو بے جا تناؤ کا سبب بن جاتی ہے'' حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم ہے کہ 'میں اعلیٰ اخلاقی شرافتوں کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں'۔قوموں کی تاریخ پر نظر رکھنے والے ایک عظیم مفکر نے لکھا ہے کہ ''دنیا میں عروج اور ترقی حاصل کرنے والی قوم ہمیشہ اچھے اخلاق کی مالک ہوتی ہے جب کہ برے اخلاق کی حامل قوم زوال پذیر ہوجاتی ہے۔'' یہ وہ اسباب ہیں جس نے ہماری معاشرتی زندگی کو اندر سے کھوکھلا کررکھا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایک ایسے سماج اور سوسائٹی کی تعمیر کے لیے قدم بڑھائیں جس کے سایہ تلے ہماری نسلیں پروان چڑھ سکیں اور دینی ودنیاوی لحاظ سے اپنے کو مامون ومحفوظ تصور کرسکیں؛ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ پرفتن دور میں ہم سب کو سماجی فلاح وفکری توازن کو برقرار رکھتے ہوئے آگے کی منزل کا تعین کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے تاکہ فکروآگہی کا اسلامی شعور پروان چڑھ سکے، جو ہماری آنے والی نسلوں کے دین وایمان کی آبیاری کا سامان مہیا کرسکے اور الحادی وارتدادی فتنہ سے بچنے کا وسیلہ بن سکے، ہمیں اس نازک دور میں اپنے خواص کو بھی گلے لگانا ہوگا اور ان کی باتوں پر کان دھرنے کی سعی بھی کرنی ہوگی؛ تاکہ بداعتمادی کی جو فضا پیدا ہوگئی ہے اسے کماحقہ دور کیا جاسکے۔

قرآن میں زندگی کے چار ادوار

از: مولانا سلیم شاکر
چنئی

قرآن کریم نے زندگی اور موت کے سلسلے کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے: عالم نفوس، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم حشر۔ قرآن کے حساب سے ہر نفس کو دو موت اور دو زندگیاں ملتی ہیں۔ جسم اور روح کے انفصال کا نام موت اور اتصال کا نام زندگی ہے۔ عام ضابطہ الٰہی کے مطابق دو دفعہ موت اور دو دفعہ زندگی کا ذکر قرآن مجید میں دو مقامات پر آیا ہے۔ سورہ البقرۃ کی آیت ۲۸ میں ارشاد ہوا ہے: كَيفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيهِ تُرْجَعُونَ (تم اللہ کا کس طرح انکار کرتے ہو اور حالاں کہ تم مردہ تھے تو اس نے تم کو زندہ کیا۔ پھر وہ تم کو موت دیتا ہے۔ پھر زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

قیامت کے دن کفار و مشرکین بھی یہی کہیں گے جو سورہ المؤمن (غافر) کی آیت ۱۱ میں ذکر کیا گیا ہے: قَالُوا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَينِ وَاَحْيَيتَنَا اثْنَتَينِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوجٍ مِّنْ سَبِيلٍ (وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! تو نے ہم کو دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی تو ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا اب کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟)

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس سے پہلے اس کا دنیا میں کوئی وجود نہیں ہوتا اور اس وقت کے مرحلہ کو موت کہا جاتا ہے۔ یہ عالم نفوس ہے۔ پیدا ہونے کے بعد وہ دنیا میں شیر خوار بچے سے نشو ونما پاکر جوانی کی منزل طے کرنے کے بعد وہ بڑھاپے کی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ اسے عالمِ دنیا کہتے ہیں۔ انسان کی زندگی کی مدت اس کی قسمت میں مقدر کیا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب اس کی تقدیر میں لکھا ہوتا ہے اس کی موت واقع ہوتی ہے اور اسے عالم برزخ میں پہنچا دیا جاتا ہے جہاں وہ قیامت تک رہتا ہے۔ یہ اس کی دوسری موت ہے۔ پھر جب قیامت آتی ہے تو اللہ کے حکم سے حضرت

اسرافیلؑ صور پھونکتے ہیں اور تمام انسان جو حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے اور فوت ہوئے انھیں دوبارہ زندہ کیا جاتا ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے؛ تاکہ وہ اپنی زندگی میں کیے ہوئے اعمال کے حساب سے جنت یا جہنم کا مستحق ہوتا ہے۔ اسے عالمِ حشر کہتے ہیں۔

پہلا دور: عالم نفوس

پہلا مرحلہ موت ہے اور اس سے مراد وہ دور ہے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد ان تمام روحوں کو بھی پیدا فرمایا جو اس کی پشت سے تا قیامت پیدا ہونے والی تھیں۔ سورہ الاعراف کی آیت ۱۷۲ میں عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اسی دور سے متعلق ہے۔ اور یہ دور روح کی پیدائش سے لے کر اس کے شکم مادر میں جنین کے جسم میں داخل ہونے تک پھیلا ہوا ہے۔ روح اگرچہ ایک زندہ اور متحرک اور عقل وشعور رکھنے والی چیز ہے؛ لیکن چونکہ ابھی اس روح کو جسم نہیں ملا جو اعمال کے صدور کا ذریعہ ہے اسے موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسی دور کے متعلق سورۂ الاعراف کی آیت ۱۱ میں فرمایا گیا ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ (ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورتیں بنائیں، پھر فرشتوں سے فرمایا کہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کرو)

اس آیت سے درج ذیل باتوں کا پتہ چلتا ہے:

(۱) تمہاری یہ تخلیق حضرت آدمؑ کی پیدائش سے پہلے ہی وقوع پذیر ہو چکی تھی۔

(۲) اس تخلیق سے تمہاری صورتیں بھی بنادی دی گئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح بھی شکل وصورت رکھتی ہے۔ اس روح کی شکل بھی ویسے ہی ہوتی ہے جو اس کو ملنے والے جسم کی ہوتی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے روح کی تخلیق اور اس کو شکل وصورت عطا کرنے کے باوجود اس دور کو عام ضابطہ کے مطابق موت کے زمانہ سے تعبیر کیا ہے۔ ورنہ یہی موت کی تخلیق کا مفہوم ہے۔

ان مراحل کی کیفیت اس طرح ہوئی کہ:

۱- روح کی پیدائش سے لے کر اس کو شکم مادر میں داخل ہونے تک کا عرصہ۔ اس عرصہ کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲- شکم مادر میں جسم میں روح کے داخل ہونے سے لے کر موت تک کا عرصہ۔ اسے زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳- موت سے لے کر قیامت کو دوبارہ اجسام میں روح کے داخل ہونے تک کا عرصہ۔ اس

عرصہ کوموت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴- قیامت کو دوبارہ جی اٹھنے کے بعد لامتناہی مدت۔اس عرصہ کو زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب یہ انسان کی دائمی زندگی ہوگی۔

دوسرا دور: عالم دنیا

اس مرحلہ میں روح بدن میں داخل رہتی ہے یعنی جنین میں روح کے داخل ہونے یا جان پڑ جانے سے لے کر جسم سے روح نکلنے تک یا مرنے تک کا عرصہ دنیوی زندگی کہلاتا ہے۔زندگی کہنے کا اصل سبب تو یہی ہے کہ اس عرصہ میں روح و بدن کا کلی اتصال ہوتا ہے؛لیکن یہ اتصال کلی کبھی منقطع بھی ہوجاتا ہے۔گویا اس موت وحیات کے قانون میں استثناء کی صورتیں بھی موجود ہیں۔

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کا صرف ایک ایسا قانون ہے جس میں کبھی تغیر وتبدل نہیں ہوتا اور یہ قانون قوموں کے عروج و زوال سے تعلق رکھتا ہے۔یعنی جب کوئی قوم بدکرداری کی انتہائی پستیوں کو پہنچ جاتی ہے تو اس کی تباہی یقینی ہوجاتی ہے۔اللہ تعالی نے اس قانون کو سُنَّتُ اللّٰہِ کہا ہے۔قرآن کریم میں چار مقامات پر ذکر کرکے یہ وضاحت کردی ہے کہ سنت اللہ میں کوئی لچک یا تغیر وتبدل نہیں ہے۔

موت وحیات کے قانون میں بھی استثنائی صورتیں قرآن کریم سے واضح ثابت ہوتی ہیں جیسے کہ

(۱) اللہ کے حکم سے حضرت عیسیٰؑ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کہہ کر مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔

(۲) حضرت عزیرؑ کی ایک اجڑی ہوئی بستی کو اللہ نے سو سال کی موت دیدی اور اس بعد ان کو زندہ کیا (سورہ البقرۃ ۲۵۹)۔

(۳) بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قتل ہوگیا۔اللہ تعالی کے حکم سے ایک گائے ذبح کرکے اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا لاش پر مارا گیا تو مردہ زندہ ہوگیا اور لوگوں کو اپنے قاتل کی شناخت کی اطلاع دیدی (سورہ البقرۃ ۷۳)۔

(۴) حضرت موسیٰؑ جب ''کوہِ طور'' سے تورات لے کر بنی اسرائیل کی طرف واپس آئے تو ان لوگوں نے انکار کردیا۔اس بے ہودہ اعتراض پر اللہ کے حکم سے ستر آدمیوں کو چن کر کوہ طور پر لے گئے۔جب ان لوگوں نے اپنے اعتراض کو دہرایا تو اللہ تعالی نے انھیں ایک کڑک بھیج کر ہلاک کردیا۔اب حضرت موسیٰؑ اللہ سے التجا کرنے لگے کہ میں اپنی قوم میں کیسے جاؤں؟ اور ان کو کیا جواب دوں؟ اللہ تعالی نے ان کو دوبارہ زندہ کردیا۔(سورہ البقرۃ ۵۶)۔

(۵) حضرت ابراہیمؑ نے محض اطمینانِ قلب کی خاطر اللہ تعالی سے سوال کیا کہ تو مردوں کو زندہ کیوں کر کرتا ہے؟ اللہ تعالی نے حکم دیا کہ چار مختلف پرندے لو اور ان کے نام رکھ لو۔ پھر انھیں ذبح کرو۔ ان کے سر الگ کردو اور ان کے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے انھیں اچھی طرح ملادو۔ اس ملے ہوئے اجزاء کو پہاڑ کے پیچھے پھینک دو۔ اس کے بعد ایک پرندے کا سر ہاتھ میں لو اور اس کو پکارو۔ وہ پرندہ آیا؛ مگر اس نے کسی دوسرے پرندے کے سر سے جڑنے سے انکار کردیا۔ جب اس کا سر آگے بڑھایا تو وہ سر سے لگ گیا اور اڑ کر چلا گیا۔ باقی تین پرندوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا (سورہ البقرۃ ۲۶۰)۔

(۶) بنی اسرائیل کے ہزاروں لوگ جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے؛ لیکن دشمن کے مقابلے اور موت کے ڈر سے ان کی جان گویا نکل رہی تھی تو اللہ تعالی نے انھیں وہیں موت دیدی کہ جس بات سے تم ڈرتے ہو اب اس کا مزا چکھو! چونکہ اللہ تعالی کو عبرت دلانا مقصود تھا؛ اس لیے انھیں زندہ کردیا۔ (سورہ البقرۃ ۲۴۳)

تیسرا دور: عالم برزخ

اس دنیا کی زندگی میں بھی موت کا ہلکا سا نقشہ دکھایا گیا ہے اور یہ موت نیند کی حالت ہے جسے ہم برزخی موت سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ رسولؐ اللہ نے نیند کو موت کی بہن قرار دیا ہے۔ نیز جاگنے کے بعد ہمیں جو دعا سکھلائی گئی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَحْیَانَا بَعدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیهِ النُّشُورُ (شکر وتعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں مردہ کردینے کے بعد زندگی سے نوازا اور اسی کے حضور اٹھ کر حاضر ہونا ہے)۔ یہاں نشور کا لفظ بعث بعد الموت کے معنی میں آتا ہے۔

برزخ کا لفظی معنی عموماً پردہ، عاجز اور فاصل کے ہیں۔ دو حالتوں اور دو چیزوں کے درمیان جو چیز فاصل ہو اسے برزخ کہتے ہیں؛ اسی لیے موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو عالم برزخ کہا جاتا ہے جو حیاتِ دنیاوی اور حیاتِ اخروی کے درمیان حدِ فاصل ہے۔

سورہ المؤمنون کی آیت ۱۰۰ میں ارشاد باری تعالی ہے: وَمِنْ وَّرَآءِ هِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَومِ یُبْعَثُونَ (اور آگے ان کے ایک پردہ ہوگا اس دن تک کے لیے جس دن وہ اٹھائے جائیں گے)

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں: برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان پردے کا نام ہے۔ محمد بن کعبؒ فرماتے ہیں کہ برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان کا وقت ہے۔ اہلِ برزخ نہ تو دنیا والوں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں اور نہ آخرت والوں کے ساتھ اپنے اعمال کی جزا وسزا پا رہے ہیں۔

حضرت ابوصخرؒ کا قول ہے کہ برزخ مقابر کو کہتے ہیں۔اہلِ مقابر نہ تو دنیا میں ہیں نہ آخرت میں؛ بلکہ وہ قیامت تک یہاں مقیم ہیں۔

سب علماء اور اطباء یہ تسلیم کرتے ہیں کہ روح کی دو قسمیں ہیں۔ایک تو روحِ حیوانی ہے جس کا تعلق گردشِ خون سے ہے۔جس وقت روح جسم سے نکل جائے تو گردش خون بند ہوجاتا ہے۔ دوسری قسم روحِ نفسانی ہے جسے نفس بالا یا روحِ انسانی بھی کہہ سکتے ہیں۔روح کی یہ قسم یا روح کا یہ حصہ جب انسانی جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو انسان کے حواسِ خمسہ میں نمایاں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

قرآن، حدیث اور استدلال کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ میت کسی حالت میں بھی ہو، وہ قبر کے اندر ہو یا باہر، اس کا جسم آگ میں جلا کر راکھ کردیا گیا ہو اور راکھ دریا میں بہادی گئی ہو یا ہوا میں اڑادی گئی ہو، یا جانور کھا گئے ہوں، یا سمندر کی تہہ میں بہ گئے ہوں یا جسم کے الگ الگ ٹکڑے کرکے ادویات میں محفوظ کرکے ہسپتالوں یا عجائب خانوں میں رکھ دیا گیا ہو، ان تمام صورتوں میں برزخ کا ثواب یا عذاب میت کو ہوتا ہے۔اس کی روح اور جسم کے منتشر ایک ایک جز، ایک ایک ذرے کو ہوتا ہے۔اگر میت کو دفن کرنے کے چند روز بعد قبر کھولی جائے تو میت قبر میں جیسی کی ویسی دفن پڑی رہے گی اور اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا۔

انبیاء علیہم السلام کے پاس ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے عالمِ آخرت کے حقائق اس راہ میں پیش ہونے والے مراحل کے وہ ہولناک واقعات بیان کرتے ہیں جو ہمارے فہم وفراست سے بالاتر ہیں۔ہمارے علم وادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں جنہیں نہ تو اپنے کانوں سے سنا اور نہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ ذریعہ وحی ہے۔یعنی حضرت جبرئیلؑ ان کے پاس آتے ہیں اور اللہ تعالی کی طرف سے خبریں دیتے ہیں، جیسے کہ قرآن میں سورۃ النجم کی چوتھی آیت میں اللہ تعالی فرماتا ہے: وَمَایَنْطِقُ عَنِ الھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّاوَحْیٌ یُّوحٰی (وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں نہیں بناتے؛ بلکہ ان کا کلام تو تمام تر وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے)

قرآن پاک میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر سورہ المؤمن (غافر) کی آیت ۱۱ میں ہے۔ اسے دوزخیوں کی زبان سے کہا گیا ہے: رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَینِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَینِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَھَلْ اِلٰی خُرُوجٍ مِّنْ سَبِیلٍ (اے ہمارے رب! تو نے ہم کو دو دفعہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا۔ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا۔پھر کیا نکلنے کا کوئی راستہ ہے؟)

اس کا تذکرہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۸ میں بھی ارشاد ہوا ہے: کَیفَ تَکفُرُونَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ

اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیکُمْ ثُمَّ اِلَیہِ تُرْجَعُونَ (کیسے تم اللہ کا انکار کرتے ہو؛ حالانکہ تم پہلے مردہ تھے پھر اس نے تم کو زندہ کیا، انسان بنا کر پیدا کیا، پھر تم کو مار دے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے!)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: ایک آدمی نے اپنی جان پر ظلم کیا (بہت سارے گناہ کیے)۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو اپنے گناہوں کو یاد کر کے اور اپنے انجام کے خوف سے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اس کی لاش کو جلا کر راکھ کر دینا اور اس کی راکھ کا آدھا حصہ خشکی یعنی ہوا میں اڑا دینا اور آدھا حصہ سمندر میں بہا دینا؛ تاکہ میرا نشان بھی باقی نہ رہے۔ اور جزا اور سزا کے لیے میں دوبارہ نہ اٹھایا جاؤں۔ اور کہا کہ میں ایک سیاہ کار ہوں کہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالی نے مجھے پکڑ لیا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا کہ جہانوں میں کسی کو ایسا عذاب نہیں دے گا۔ جب وہ مر گیا تو اس کی اولاد نے اس کی وصیت پر عمل کیا (اسے جلا کر اس کی راکھ کچھ ہوا میں اڑا دی اور کچھ دریا میں بہا دی) پھر اللہ تعالی نے دریا کو حکم دیا اور اس کے اندر جو اجزا تھے جمع کر لیے اور خشکی کو حکم دیا اور اس کے اندر جو منتشر اجزا تھے جمع کر لیے۔ اور اسے زندہ کر کے اپنے سامنے کھڑا کر لیا اور پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: میرے پروردگار! تجھے اس کا بخوبی علم ہے کہ میں نے یہ کام تیرے ڈر کی وجہ سے کیا ہے۔ اللہ تعالی نے اسے بخش دیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اموات کو جلا کر ان کی راکھ سمندروں میں بہا دی جاتی ہے یا ہوا میں اڑا دی جاتی ہے یا جن کے اجسام سمندروں کی مچھلیاں نگل جاتی ہیں، اللہ تعالی اس پر قادر ہے کہ انھیں صحیح سالم بنا کر کھڑا کر دے اور قیامت میں کھڑا ضرور کریں گے۔

شہداء کو عالمِ برزخ میں ایک نہایت عمدہ پیکر عطا ہوتا ہے اور وہ اس پیکر نورانی سے بارگاہِ قدس میں جہاں تک چاہتے ہیں اڑ کر ترقی کرتے ہیں۔ اور انواع واقسام کی لذتوں سے مستفید ہوتے ہیں جس کی طرف سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۹ میں اشارہ کیا گیا ہے: وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُونَ (جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کو مردہ نہ خیال کرو؛ بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس روزی پا رہے ہیں)۔ اور اس حدیث میں بھی ذکر ہوا ہے کہ جس کو شیخین امام بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے کہ شہداء سبز طیور کے سنگ دانوں میں آ کر آشیانۂ عرش میں رہتے ہیں اور جہاں سے جی چاہے کھاتے ہیں (تفسیر حقانی جلد اول صفحہ ۵۵۷)

برزخ کی زندگی ثابت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے بے شک برزخ کی زندگی ہر مرنے والے

کے لیے ثابت ہے شہید ہو یا کوئی اور (تفسیر روح المعانی جز۲ص۲۱مطبوعہ بیروت)؛ چونکہ عالمِ برزخ ہمارے حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، ہاتھ وغیرہ سے محسوس نہیں ہوتا؛ اس لیے لَاتَشْعُرُوْنَ فرمایا گیا؛ کیونکہ تم ان کی حیات کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔

رسولؐ اللہ نے مؤمنوں اور کافروں کی وفات کے بعد کا حال بیان فرمایا ہے: مؤمنوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لیے ان کی قبروں میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ وہ اس کی خوشبو سونگھتے ہیں اور اللہ تعالی سے قیامِ قیامت میں جلدی چاہتے ہیں؛ تاکہ وہ اپنی رہائش گاہوں (جنت) میں پہنچ جائیں۔ اور وہاں اپنے اہلِ خاندان اور اولاد کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوں۔ کافروں کے متعلق فرمایا کہ ان کے لیے ان کی قبروں میں جہنم کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور انھیں اس کی بدبو اور تکلیف پہنچتی ہے۔ اور ان کی قبروں پر قیامت تک کے لیے فرشتے مسلط کیے جاتے ہیں جو انھیں سخت مار مارتے ہیں۔ اور وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت جلدی نہ قائم کی جائے۔ خوف کے سبب یہ اس انجام کے لیے ہے جو اللہ تعالی نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی روایتیں ہیں جن میں برزخ میں مؤمن اور کافروں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

فقیہ ابواللیثؒ کہتے ہیں علماء نے عذابِ قبر کے بارے میں بحث کی ہے۔ بعض کہتے ہیں روح جسم میں اسی طرح داخل کی جاتی ہے، جیسے دنیا میں تھی اور مردہ اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے پاس دو سیاہ رنگ والے نیلگوں آنکھوں والے سخت مزاج، سختی کرنے والے فرشتے جن کی آنکھیں چندھیا دینے والی چمک کی طرح اور جن کی آوازیں کڑکتی بجلی کی طرح ہوتی ہیں، ان کے پاس ہتھوڑا ہوتا ہے، وہ میت کو اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟ ایمان دار جواب دیتا ہے کہ اللہ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے اور محمدؐ میرے نبی ہیں۔ ثابت قدمی سے مراد یہی صحیح جواب دینا ہے۔ جو کافر یا منافق ہے وہ کہتا ہے کہ کچھ پتہ نہیں۔ اس پر اس کافر اور منافق کو جب ہتھوڑے سے مارا جاتا ہے تو وہ اتنی بلند آواز سے چلاتا ہے جس کو جنوں اور انسانوں کے سوا مشرق اور مغرب کے درمیان کے سارے جاندار سنتے ہیں۔ یہ ایک قسم کا عذاب ہے جو قیامت تک قائم رہتا ہے۔ (تفسیر روح البیان)

چوتھا دور: عالم حشر

جب قیامت آئے گی تو اس وقت صور پھونکا جائے گا۔ تب سارے لوگ فوت ہو جائیں گے۔

کوئی بھی جاندار باقی نہیں رہے گا۔ پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب جو فوت ہو چکے تھے اللہ کے حکم سے زندہ ہوکر اٹھ کھڑے ہوں گے اور محشر کے میدان میں اپنے اعمال کے حساب کتاب کے لیے جمع ہوں گے۔ اس کا ذکر سورہ الزمر کی آیات ۶۸ اور ۶۹ میں ہوا ہے: وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَاهُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ☆ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِرَبِّهَا وَوُضِعَ الْکِتٰبُ وَجِیْءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَایُظْلَمُوْنَ☆ (اور صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین میں جو بھی ہیں سب بے ہوش ہوکر گر پڑیں گے؛ مگر جن کو اللہ چاہے پھر دوبارہ اس میں پھونکا جائے گا تو دفعتاً وہ کھڑے ہوکر تاکنے لگیں گے۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی اور رجسٹر رکھا جائے گا اور انبیاء اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: دونوں صور پھونکنے کے درمیان چالیس کی مدت ہوگی۔ اس بات کا کسی کو اندازہ نہیں کہ یہ چالیس دن ہیں یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ صحیح مسلم کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں چالیس سال کی مدت کا ذکر ہے؛ لیکن یہ ضعیف حدیثیں ہیں۔ نبیؐ نے فرمایا: پھر اللہ تعالی بارش نازل کرے گا جس سے انسان سبزیوں کی طرح اُگ آئیں گے۔ انسان کی ایک ہڈی (ریڑھ کی سب سے نچلی ہڈی) کو چھوڑ کر سارا جسم سڑ گل جاتا ہے اور اسی ہڈی سے قیامت کے روز انسان کی تخلیق ہوگی (متفق علیہ)

پہلی صور کی آواز بے ہوش کردینے والی ہوگی جس سے ارض وسماء کی تمام مخلوقات ختم ہوجائیں گی؛ مگر جس کو اللہ چاہے۔ دوسری بار صور پھونکنے سے حشر قائم ہوگا۔ اور لوگ اپنے رب کے دربار میں پیشی کے لیے حاضر ہوں گے۔

سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۰۸ میں اللہ تعالی محشر کا حال بیان فرماتا ہے: یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَاعِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (اس دن سب لوگ منادی کی پکار پر سیدھے چلے آئیں گے، کوئی ذرا اکڑ نہ دکھا سکے گا۔ اور آوازیں رحمان کے آگے دب جائیں گی، ایک سرسراہٹ کے سوا تم کچھ نہ سنو گے)۔ یعنی وہ میدانِ حشر کی طرف سکون وسکوت کے ساتھ رواں دواں ہوں گے کہ بجز ان کے قدموں کی چاپ اور سانس کی آواز کے کچھ سنائی نہ دے گا۔

مکذبین کے لیے یہ بہت ہی حسرت اور افسوس کا دن ہوگا، جیسا کہ سورۂ مطففین کی آیات ۱۰ تا

۱۷ میں ارشاد ہوا ہے: وَيلٌ يَّومَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ☆ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ بِيَومِ الدِّينِ ☆ وَمَايُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعتَدٍ اَثِيمٍ☆ اِذَاتُتْلٰى عَلَيهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ ☆ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ مَاكَانُوايَكْسِبُونَ ☆ كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَومَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ☆ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الجَحِيمِ ☆ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِى كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُونَ☆ (اس دن تباہی ہے جھٹلانے والوں کی! جو روزِ جزا کو جھٹلا رہے ہیں۔ اس کو تو وہی جھٹلاتے ہیں جو حدودِ الٰہیہ سے گزر جاتے ہیں۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے فسانے ہیں۔ ہرگز نہیں؛ بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔ ہرگز نہیں؛ بلکہ اس دن وہ اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے۔ پھر وہ جہنم میں پڑنے والے بنیں گے۔ تب کہا جائے گا یہ وہی چیز ہے جس کو تم جھٹلاتے رہے ہو)۔ سورہ یٰسین ۵۱ تا ۵۴، اور سورہ الانعام ۲۸ تا ۳۲ میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: لوگ قیامت کے دن ایسی سرزمین میں اٹھائے جائیں گے جو سرخی مائل سفید ہوگی، جیسے باریک شفاف بے داغ ٹکیہ اس میں کسی کے لیے کوئی نشان نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون اٹھائے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا: اللہ کے رسولؐ! مرد وزن ایک دوسرے کو دیکھیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: اے عائشہؓ! وہ گھڑی اس سے کہیں زیادہ ہولناک ہوگی کہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھیں (متفق علیہ)

قیامت میں کافر اوندھے منہ اٹھائے جائیں گے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: قیامت کے روز کافر کس طرح اپنے چہروں کے بل اٹھائے جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا: وہ اللہ جو دنیا میں پیروں سے چلانے پر قادر ہے کیا وہ قیامت کے روز چہرے کے بل نہیں چلا سکتا؟ حضرت قتادہ نے کہا: ہمارے رب کی عزت کی قسم کیوں نہیں چلا سکتا (متفق علیہ)۔

حشر کے دن سورج سوا نیزہ پر ہوگا اور لوگ پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو اس قدر پسینہ آئے گا کہ ان کا پسینہ زمین کے اندر ستر ہاتھ تک پہنچ جائے گا۔ اور وہ منہ اور کانوں تک پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے (متفق علیہ)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: اس دن جہنم لائی جائے گی

اور اسے ستر ہزار لگامیں لگی ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ رہے ہوں گے (صحیح مسلم)

اللہ کے سائے میں پناہ لینے والے لوگ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا: میری عظمت اور اطاعت کے دیوانے آج کہاں ہیں؟ آج میں انھیں اپنے سایہ میں پناہ دوں گا؛ جب کہ اس دن کہیں بھی سایہ نہ ہوگا (صحیح مسلم)۔ اللہ سات قسم کے لوگوں کو اپنے سایہ میں رکھے گا: (۱) منصف اور عادل امام، (۲) ایسا جوان جس نے اپنی جوانی عبادت میں گزاری، (۳) ایسا شخص جس کا دل ہمیشہ مسجد میں لگا رہتا ہے، (۴) ایسے دو شخص جن کی محبت اور نفرت صرف اللہ کے لیے تھی۔ یکجا ہوئے تو اسی کے لیے اور علیحدہ ہوئے تو بھی اسی کے لیے، (۵) ایسا شخص جسے کسی عالی خاندان کی حسین وجمیل عورت نے گناہ کی دعوت دی؛ لیکن اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، (۶) ایسا شخص جس نے صدقہ وخیرات اس قدر خفیہ طریقے سے دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہوئی کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا؟ (۷) ایسا شخص جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں (متفق علیہ)

قیامت کے دن اہل ایمان رسولؐ اللہ کے حوض پر آئیں گے۔ آپؐ کے کچھ امتی حوض پر آئیں گے؛ مگر ان کو بھگا دیا جائے گا؛ کیونکہ ان لوگوں نے شریعت کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: میرے حوض کی وسعت ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہوگی، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، خوشبو مشک سے زیادہ اور پینے کے پیالے آسمان کے تاروں کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ جو شخص اس کا پانی پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

قیامت کے دن نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ قیامت کے دن جنت مؤمنوں کے قریب کردی جائے گی؛ لیکن ان سے صبر نہ ہوسکے گا۔ اللہ تعالی ان کے حساب میں تاخیر سے کام لے رہا ہوگا۔ یہ دیکھ کر وہ انبیاء ورسل کو تلاش کریں گے کہ شاید وہ اللہ کے حضور میں سفارش پیش کریں گے۔ جس رسول کے پاس جائیں گے انھیں ڈر ہوگا اور وہ کہیں گے کہ فلاں کے پاس جاؤ! یہاں تک کہ وہ نبی کریمؐ کے پاس جائیں گے۔ تو آپ سفارش فرمائیں گے۔ اللہ تعالی آپ کی سفارش سے ان امتیوں کو جن کا حساب کتاب نہ ہوگا سب سے مبارک دروازے سے داخل ہوں گے۔

قیامت کے دن امت محمدیہ کا حساب کتاب سب سے پہلے ہوگا۔ امت محمدی حالانکہ سب سے پچھلی امت ہے؛ لیکن اللہ تعالی سب سے پہلے اسی امت کو اٹھایا جائے گا، ان کا حساب لیا جائے گا اور سب سے پہلے اسی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ

رسولؐ اللہ نے فرمایا: ہم دنیا میں سب سے پچھلے لوگ ہیں؛ لیکن قیامت میں سب سے اول ہوں گے بجز اس کے کہ ہر امت کا اعمالِ نامہ ہم سے پہلے دیا جائے گا اور ہمیں سب کے بعد دیا جائے گا۔ یہ دن جسے اللہ نے ہمارے لیے مقدر کردیا ہے اس میں وہ ہماری رہنمائی کرے گا۔ اس دن دوسری امتیں ہمارے پیچھے ہوں گی۔ یہودیوں کا حساب ہمارے بعد ہوگا اور پھر عیسائیوں کی باری ہوگی (متفق علیہ)۔

حضرت عبداللہ بن جریرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: تم لوگ اپنے رب کے حضور پیش کیے جاؤ گے۔ تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھتے ہو (صحیح مسلم)۔

اس دن جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھے تھے وہ سب ان کا انکار کردیں گے۔ ان کے پیشوا، فرشتے، بت، اور شیطان جن کی یہ پوجا کرتے تھے اور جن کی پیروی کرتے تھے وہ سب ان کے دعوؤں کا انکار کردیں گے، جیسا کہ سورۂ مریم کی آیات ۸۱ اور ۸۲ میں ذکر ہوا ہے: وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ☆ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا☆ (اور انھوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں؛ تاکہ وہ ان کے لیے پشت پناہ بنیں۔ ہرگز نہیں! وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے عدو بنیں گے)۔ سورہ یونس کی آیات ۲۸ اور ۲۹ میں بھی یہی ذکر ہوا ہے۔

اس کے بعد اللہ عزوجل اپنے بندوں کے اعمال کا محاسبہ کرے گا۔ جس شخص سے سختی سے باز پرس ہوگی اور پوری تفصیل سے اس کی نیکی اور بدی کی جانچ کرے گا ایسے شخص کو جہنم کی طرف ہانک دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن دربار الٰہی سے انسان کا جہنم یا جنت کی طرف مسلسل جانا لگا رہے گا حتیٰ کہ اس سے پانچ چیزوں کی باز پرس ہوگی: (۱) عمر کے بارے میں کہ کہاں اسے ضائع کیا؟، (۲) جوانی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کن چیزوں میں کھپائی، (۳) مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کہاں سے حاصل کیا؟ (۴) اور کہاں خرچ کیا؟ اور (۵) جن چیزوں کا اسے علم تھا ان پر کہاں تک عمل کیا؟ (ترمذی)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: قیامت کے دن جس سے محاسبہ ہوگا وہ ہلاک ہوجائے گا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ نے نہیں فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِينِهٖ فَسَوفَ يُحَاسِبُهٗ حِسَابًا يَّسِيرًا (جس شخص کو اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں ملے گا، عنقریب اس سے آسان حساب لیا جائے گا)۔ آپؐ نے فرمایا: وہ صرف ایک رسمی پیشی

ہوگی۔ قیامت کے دن جس سے سختی سے باز پرس کی جائے گی اس کو عذاب دیا جائے گا (متفق علیہ)۔

حضرت عدی بن حاتمؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک سے اللہ عزوجل (بہ نفس نفیس) بات کرے گا۔ بندہ اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔ بندہ اگر دائیں نظر کرے گا تو اس کے اعمال ہی دکھلائی دیں گے۔ بائیں نظر کرے گا بھی تو اس کے اعمال ہی دکھلائی دیں گے۔ اپنے سامنے وہ جہنم کو دیکھے گا۔ تو اے لوگو! جہنم کی آگ سے ڈرو اگرچہ آدھی کھجور کے برابر (صدقہ) سے ہو!

قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اگر نماز درست ہے تو سارے اعمال درست ہوں گے۔ اگر نماز فاسد ہے تو سارے اعمال فاسد ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا: لوگوں کے اعمال میں سب سے پہلے نمازوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ ہمارا رب اپنے فرشتوں سے کہے گا: میرے بندوں کی نمازوں کو دیکھو کہ وہ مکمل ہیں یا ناقص؟ اگر وہ مکمل ہوں گی تو اس کے نامۂ اعمال میں مکمل لکھا جائے گا۔ اگر اس میں کوئی کمی ہوگی تو اللہ کہے گا: دیکھو میرے بندے کے پاس کچھ نفل نمازیں بھی ہیں؟ اگر اس کے اس نفل نمازوں کا ذخیرہ ہوگا تو اللہ کہے گا: میرے بندے کی فرض نمازوں کو ان نفلوں سے مکمل کردو۔ اس کے بعد دوسرے اعمال کے متعلق باز پرس ہوگی۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)۔

میدانِ حشر میں قصاص کا جو منظر ہوگا وہ اس حدیث سے واضح ہوجائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کی عزت یا کسی شئے پر دست درازی کرکے ظلم کیا ہے اسے چاہیے کہ آج ہی اس کا کفارہ دے دے اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جب دینار و درہم نہ ہوں گے۔ اگر اس ظالم کے پاس نیک عمل ہوگا تو اس کے ظلم کی مقدار وہ لے لیا جائے گا۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اسی قدر مظلوم کے گناہ لے کر اس پر لاد دیے جائیں گے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا: تم لوگ مفلس کسے کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہم تو اسے مفلس کہتے ہیں جس کے پاس درہم یا کوئی سرمایہ نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا: میری امت کا مفلس قیامت میں روزہ، نماز اور زکوٰۃ کا سرمایہ لے کر آئے گا؛ لیکن اس کی حالت یہ ہوگی کہ اس نے دنیا میں فلاں کو گالی دی ہوگی، فلاں پر الزام لگایا ہوگا، فلاں کا مال ہڑپ کرلیا ہوگا، فلاں کو قتل کردیا ہوگا اور فلاں کو مارا ہوگا۔ تو اس کی نیکیاں لے کر فلاں اور فلاں مظلومین کو دے دی جائیں

گی۔اوراگر فیصلہ سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی تو ان مظلوموں کے گناہوں کو لے کر اس پر لاد دیا جائے گا۔پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا (صحیح مسلم)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسولؐ اللہ کے پاس تھے۔آپؐ ہنس پڑے اور فرمایا: آپ لوگ جانتے ہیں میں کیوں ہنس پڑا؟ ہم نے عرض کیا: اللّٰہ و رسولہ اعلم. ارشاد فرمایا: بندہ کی اپنے رب کی گفتگو کی وجہ سے بندہ عرض کرے گا: اے رب! کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں بچایا؟ اللہ کہیں گے: ہاں! پھر بندہ کہے گا: آج میں اپنے معاملہ میں کسی کی گواہی نہ مانوں گا۔ہاں! اگر میرے اندر سے کوئی گواہی دے دے تو اعتبار کرسکتا ہوں۔اللہ فرمائیں گے: آج تیرے حساب کے لیے تیرا خود گواہ ہونا کافی ہے اور کرامًا کاتبین بھی آج گواہ ہوں گے۔اس کے بعد اللہ اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور جسم کے اعضاء سے کہے گا: تم بولو! اس کے اعضاء اس کی بداعمالی پر گواہی دیں گے۔شہادت ختم ہونے پر (جب قوت گویائی عود کر آئے گی) تو یہ کافر اپنے جسمانی اعضاء پر لعن طعن کریں گے۔کہیں گے دور! دور! ہم نے جو کچھ کیا تمہارے لیے ہی کیا تھا (صحیح مسلم ۴، ۲۰۸۰)۔

کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو جہنم سے نجات تو پا گئے، مگر جنت میں داخل نہیں ہوئے؛ البتہ اس کے امیدوار ہیں کہ وہ بھی جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ان لوگوں کو اہلِ اعراف کہا جاتا ہے۔ سورۂ حدید میں اس کی تشریح آئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں لوگوں کے تین گروہ ہونگے۔ ایک کھلے کافر ومشرک جن کو پل صراط پر چلنے کی نوبت نہ آئے گی۔وہ دوزخ میں گر پڑیں گے۔ دوسرے مؤمنین جن کے ساتھ ایمان کی روشنی ہوگی۔اس وقت ایک سخت اندھیری چھا جائے گی تو یہ مؤمنین اپنے ایمان کی روشنی سے پل سے گزر جائیں گے۔اسی حالت میں مؤمنین اور منافقین کے درمیان ایک دیوار کا حصار حائل کردیا جائے گا جس میں ایک دروازہ ہوگا۔اس دروازے کے باہر تو عذاب ہی عذاب نظر آئے گا اور دروازہ کے اندر جو مؤمنین ہوں گے، وہاں اللہ تعالی کی رحمتوں کا مشاہدہ نظر آئے گا اور جنت کی فضا سامنے ہوگی۔تیسرے اصحاب الاعراف ہوں گے جو جنت اور دوزخ دونوں طرف کے حالات کو دیکھ رہے ہوں گے اور دونوں طرف کے لوگوں سے سوال جواب کررہے ہوں گے۔

امام ابن جریرؒ نے بروایت حضرت حذیفہؓ نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ سے اہلِ اعراف کے متعلق پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی؛ اس لیے جہنم سے تو نجات ہوگئی؛ مگر جنت میں ابھی داخل نہیں ہوئے۔ان کو اس مقامِ اعراف پر روک لیا گیا؛ یہاں تک کہ

تمام اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کا حساب اور فیصلہ ہوجانے کے بعد ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور بالآخر ان کی مغفرت ہوجائے گی اور وہ جنت میں داخل کردیے جائیں گے۔ (ابن کثیر)

جب اہلِ ایمان پل صراط پار کرلیں گے اور جہنم سے نجات پاجائیں گے اور جن جہنمیوں کے بارے میں اللہ عزوجل سفارش کی اجازت دے گا وہ بھی جنت میں داخل ہوجائیں گے تو صرف وہ لوگ باقی بچ جائیں گے جنہوں نے اپنے بھائی پر کسی قسم کا ظلم کیا ہوگا۔ انھیں جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر روک لیا جائے گا اور جب وہ ایک دسرے سے قصاص لے لیں گے تو انھیں جنت میں داخل ہونے دیا جائے گا۔

مسلمانوں کے نابالغ بچے مرکر جنت میں داخل ہوتے ہیں (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین)۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نبیؐ کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک کمسن بیٹا بھی آتا تھا۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اس کے بیٹے کو نہیں پایا تو پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ بتایا گیا کہ اس کا انتقال ہوگیا۔ آپؐ نے اس کے والد سے فرمایا کہ جنت کے دروازے پر تمہارا انتظار کررہا ہے۔ پوچھا گیا کہ کیا یہ اس کے لیے خاص ہے؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں یہ سب کے لیے ہے۔ (مسند احمد ۵، ۳۰۴ حدیث ۱۰۳۲۹)۔ نبیؐ نے اپنے لختِ جگر حضرت ابراہیمؓ کے متعلق فرمایا: جنت میں دودھ پلانے والی اللہ نے مقرر کردی ہے (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من سمی باسماء الانبیاء)۔ مشرکین کے نابالغ بچوں کے بارے میں بھی راجح قول یہ ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل اولا د المشرکین)

میں اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیں نیک اعمال کی طرف راغب فرما، یہاں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے ان پر ہمیں غور وفکر کرنے کی اور ان پر عمل درآمد ہونے کی ہدایت فرما اور ہمیں جنت کے مستحق ہونے کی توفیق وہدایت عطا فرما۔ آمین یارب العالمین۔

حواشی:

(۱) موت کا منظر۔ تالیف خالد بن عبدالرحمٰن الشایع، سلطان بن فہد الراشد۔ اردو ترجمہ از ظہیر احمد عبدالاحد۔ ناشر مکتب الدعوۃ وتوعیۃ الجالیات بالربوۃ۔ الریاض

(۲) روح، عذاب قبر، اور سماع موتٰی از معلانا عبدالرحمٰن کیلانی۔ مکتبۃ السلام، لاہور

(۳) عالمِ برزخ۔ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے ہم سب پر کیا گزرے گی۔ از عبدالرحمٰن عاجز مالیر کوٹلوی۔ رحمانیہ دارالکتب۔ فیصل آباد

(۴) روح کا مستقر اور عذاب قبر از پروفیسر محمد سلیم قاسمی۔ ماہنامہ دارالعلوم فروری ومارچ ۲۰۲۴ء

(۵) مناظرِ قیامت سنت نبویؐ کی روشنی میں۔ از محمد خورشید السلفی۔ دارالداعی للنشر والتوزیع، ریاض۔

* * *

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی بے مثال حیا

بہ قلم: محمد اسعد قاسمی
خادم مدرسہ جمال القرآن جھرہ

خلیفۂ ثالث، دامادِ رسول حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اخلاقِ حمیدہ واوصافِ جمیلہ کے مالک تھے، آپ دورِ جاہلیت اور اسلام میں کبھی فحش کے قریب نہیں گئے؛ چنانچہ حضرت عثمانؓ خود فرماتے ہیں: میں نے نہ تو کبھی گانا گایا، نہ تمنا کی، نہ جھوٹ زبان سے نکلا اور جب سے رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہ چھوا اور نہ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں کبھی شراب پی اور نہ جاہلیت واسلام میں کبھی زنا کے قریب گیا۔

ان اوصاف میں حیا حضرت عثمانؓ کے مشہور ترین اوصاف میں سے ہے۔ حیا کتنی بہترین صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مزین فرمایا تھا، یہ آپ کے اندر خیر وبرکت کا منبع اور شفقت ورحمت کا مصدر تھا۔ آپ سب سے زیادہ حیادار تھے۔

ذوالنورینؓ جس سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعًا فِي بَيْتِهِ كَاشِفًا عَنْ فَخِذَيْهِ أَوْ سَاقَيْهِ فَاسْتَاذَنَ أَبُو بَكْرٍ فَأَذِنَ لَهُ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ فَاذِنَ لَهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ فَتَحَدَّثَ ثُمَّ اسْتَأْذَنَ عُثْمَان فَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَوّٰى ثِيَابَهُ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَتْ عَائِشَةُ دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ فَلَمْ تَهْتَشْ لَهُ وَلَمْ تُبَالِهِ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَلَمْ تَهْتَشْ لَهُ وَلَمْ تُبَالِهِ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ فَجَلَسْتَ وَسَوَّيْتَ ثِيَابَكَ فَقَالَ أَلَا اَسْتَحْيِي مِنْ رَّجُلٍ يَسْتَحْيِي مِنْهُ الْمَلٰئِكَةُ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيِيٌّ وَإِنِّي خَشِيتُ إِنْ أَذِنْتُ لَهُ عَلَى ذٰلِكَ الْحَالَةِ أَنْ لَا يَبْلُغَ إِلَيَّ فِي حَاجَتِهِ (رواہ مسلم)

أخرجه مسلم فی صحيحه١٨٦٦/٤ حديث رقم(٢٧-٢٤٠٢) واحمد فی المسند١/١٧.

ترجمہ: ''اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں: (ایک دن) رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی رانوں یا پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے ان کو اندر بلا لیا اور آپ اسی حالت میں رہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (کچھ دیر تک بیٹھے) آپ ﷺ سے باتیں کرتے رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے انھیں بھی اندر بلا لیا اور اسی طرح لیٹے رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ (بھی کچھ دیر تک بیٹھے) آپ ﷺ سے باتیں کرتے رہے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حاضری کی اجازت چاہی (اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے درست کر لیے (یعنی رانیں یا پنڈلیاں ڈھاک لیں) جب عثمان رضی اللہ عنہ (اور خدمتِ اقدس میں حاضر دوسرے لوگ) چلے گئے تو عائشہؓ نے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر آئے تو آپ ﷺ نے نہ جنبش کی اور نہ ان کی پرواہ کی؛ بلکہ اسی طرح لیٹے رہے اور اپنے کپڑے بھی درست نہیں کیے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آئے تو آپ ﷺ نے اس وقت بھی نہ حرکت کی اور نہ ان کی پرواہ کی؛ مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر آئے تو آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے درست کر لیے آں حضرت ﷺ نے فرمایا: کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عثمان بہت حیادار آدمی ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے عثمان کو اسی حالت میں بلا لیا کہ میری رانیں یا پنڈلی کھلی ہوئی ہوں) تو وہ مجھ سے اپنا مقصد پورا نہیں کریں گے (یعنی اگر وہ مجھ کو اس حالت میں دیکھیں گے تو غلبۂ ادب اور شرم وحیا سے میرے پاس نہیں بیٹھیں گے اور جس مقصد سے یہاں آئے ہیں اس کو پورا کیے بغیر واپس چلے جائیں گے)۔ (مسلم)

ایک دوسری روایت ہے جس کو ابن عساکرؒ، ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں: ''عثمان حَيِيٌّ تستحيي منه الملائكة''. عثمان حیادار ہیں، ملائکہ ان سے حیا کرتے ہیں۔

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں: حضرت عثمانؓ کا مقام حیا کا مقام ہے اور حیا سامنے والے کے اجلال وتعظیم اور اپنے نفس میں نقص وکمی کے تصور سے پیدا ہوتا ہے، تو گویا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے اوپر حق تعالیٰ کے اجلال کا غلبہ ہوا اور انہوں نے اپنے نفس میں نقص وتقصیر محسوس کیا، اور یہ دونوں چیزیں مقربینِ بارگاہ الٰہی کی بڑی خصلتوں میں سے ہیں۔ اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ کا مرتبہ بلند ہوا۔ (اور اللہ کی خاص مخلوق) ملائکہ ان سے حیا کرنے لگے، جو اللہ سے محبت کرتا ہے اللہ کے اولیاء اس سے

محبت کرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اس سے ہر چیز ڈرتی ہے۔ (فیض القدیر/ المناوی: ج ۴/ ص ۳۰۲)۔

ابن الملک نے نہایت عجیب وغریب بات کہی کہ ''استحیاء'' سے مراد توقیر ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ حسنِ معاملت میں یکسانیت ہوتی ہے کہ جو شخص اپنے ساتھی کے ساتھ کثرتِ تواضع کے ساتھ پیش آتا ہے، تو یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس شخص کے ساتھ اور زیادہ تواضع کی جائے۔ اور اس طرح کوئی کثیر الانبساط ہے تو وہ انبساط کو واجب کرتا ہے، اور اسی طرح جب کوئی بہت زیادہ ادب آداب کا معاملہ کرتا ہے، تو یہ زیادتی اس کے ساتھی کو اس کے ساتھ بھی ادب کا معاملہ بجالانے پر ابھارتی ہے۔

نوٹ: صاحب مرقات كَاشِفًا عَنْ فَخِذَيْهِ أَوْ سَاقَيْهِ کے متعلق کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی رانوں کے اوپر سے کرتہ کا دامن ہٹا ہوا تھا، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رانیں بالکل کھلی تھیں کہ ان پر تہبند نہ تھا جس پر وَسَوَّى ثِيَابَهُ کے الفاظ بھی دال ہیں۔

مزید یہ کہ آں حضرت ﷺ کی عادت ومزاج کے پیش نظر یہی بات زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے جو آل واصحاب کے ساتھ مخالطت ومجالست کے موقع پر آپ ﷺ کا معمول تھا۔

یہ واقعہ دلیل ہے کہ حیا، حیا کو واجب کرتی ہے۔ ملائکہ کا حیا کرنا درحقیقت حضرت عثمانؓ کے حیا کرنے کا باعث بنا، اور پھر حضرت عثمان آہستہ آہستہ اس قدر باحیا ہوگئے کہ دوسرے لوگوں کو حضرت عثمانؓ سے حیا آنے لگی، یعنی کہ حضرت عثمانؓ کا یہ حیا کرنا دوسرے لوگوں کے حیا کرنے کا سبب بنا۔

شدت حیا کے سبب نہانے میں احتیاط

حضرت حسن بصریؒ حضرت عثمانؓ اور ان کی کی شدت حیا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان كان ليكون فى البيت والباب عليه مغلق، ثم يضع عنه الثوب ليفيض عليه الماء يمنعه الحياء أن يقيم صلبه (اخرجه أحمد وصاحب الصفوة)۔ آپ گھر کے اندر ہوتے، دروازہ بند ہوتا اور آپؓ نہانے کا ارادہ کرتے تو گھر کے دروازے بند ہونے کے باوجود کپڑے اتارنے میں اس قدر شرماتے کہ پشت سیدھی نہیں کرتے تھے۔

حیا کے سبب حضور ﷺ کا سفارش کرنا

امام احمدؒ حضرت حفصہؓ سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں جس کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انہیں (حضرت عثمان) حساب

کتاب کے لیے نہ روکا جائے۔ اللہ تعالی نے عثمان کے بارے میں میری شفاعت قبول فرمالی اور ایک روایت میں آتا ہے کہ: "انی سألت عثمان حاجة سرا فقضاها سرا، فسألت اللّٰه أن لا يحاسب عثمان، ان النبی ﷺ قال: عثمان رجل ذو حياء فسألت ربی أن لا يقف للحساب فشفعنی فيه. میں نے عثمان سے اپنی ایک حاجت کا خاموشی سے ذکر کیا، انھوں نے بھی میری حاجت کو خاموشی سے پورا کردیا، تو میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا کہ عثمان کا حساب نہ ہو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فسألت اللّٰه ان يحاسب سرا، میں نے اللہ سے سوال کیا کہ ان کا حساب سراً ہو۔ اور یہ حضرت عثمانؓ ہی کی خصوصیت ہے، چونکہ ایک روایت میں ہے کہ اول من يحاسب أبو بكر ثم عمر ثم علی۔ سب سے پہلے ابوبکرؓ سے حساب ہوگا، پھر عمرؓ، پھر علیؓ سے۔

اس حدیث میں حضرت عثمان غنیؓ سے حساب کی نفی کی گئی کہ حیا کی وجہ سے حساب نہیں ہوگا۔

امت میں سب سے باحیا

حلیہ میں ابونعیم ابن عمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں: "أشد أمتی حياء ابن عفان" میری امت میں سب سے باحیا شخص عثمان ابن عفان ہیں۔

امت کا سب سے معزز شخص

ابونعیم کی ابن عمر سے ایک مرفوع روایت ہے کہ: "عثمان أحيی امتی واكرمها"۔ میری امت کا سب سے زیادہ باحیا اور مکرم شخص عثمانؓ ہے۔

نبی کے بعد سب سے باحیا

ابونعیم، ابوامامہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں: "أشد هذه الأمة بعد نبيها حياء عثمان بن عفان" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری امت کا سب سے زیادہ باحیا عثمان بن عفان ہے۔

جب چلتے تو فرشتے حیا کرتے

ابویعلی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ: إن عثمان حين يسير تستحيی منه الملائكة. عثمان جب چلتے ہیں، تو ملائکہ کو حیا آتی ہے۔ مشکوٰۃ مع مرقات ج/11 باب مناقب عثمانؓ، فصل اول۔

آخری بات

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

مَن كانَ مُسْتَنًّا، فَلْيَسْتَنَّ بمن قد ماتَ، فإنَّ الحیَّ لا تُؤمَنُ عليه الفِتْنَةُ، أولئك

أصحابُ محمد -صلى اللّٰه عليه وسلم-، كانوا أفضلَ هذه الأمة: أبرَّها قلوبًا، وأعمقَها علمًا ، وأقلَّها تكلُّفًا، اختارهم اللّٰه لصحبة نبيِّه، ولإقامة دِينه، فاعرِفوا لهم فضلَهم، واتبعُوهم على أثرهم، وتمسَّكوا بما استَطَعْتُم من أخلاقِهم وسيَرِهم، فإنهم كانوا على الهُدَى المستقيم. والأثر. رواه ابن عبد البر فى "جامع بيان العلم وفضله" (٢/٩٤٧، رقم ١٨١٠).

جس کو اقتدا کرنی ہے وہ گزرے ہوئے لوگوں کی اقتدا کرے کیوں کہ زندہ فتنہ سے مامون نہیں۔ اور وہ محمد ﷺ کے صحابہ ہیں۔ اللہ کی قسم وہ اس امت کے سب سے افضل لوگ تھے ان کے دل سب سے نیک، ان کا علم سب سے گہرا، سب سے کم تکلف کرنے والے، ان کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم سے علم کی صحبت اور اقامت دین کے لیے چن لیا تھا، لہٰذا تم ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے آثار کا اتباع کرو اور جس قدر ہو سکے ان کے اخلاق و دین کو تھام لو وہ لوگ سیدھی ہدایت پر قائم تھے۔

ہمیں بھی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مقام کو پہچانتے ہوئے ان کے کردار، ان کے اخلاق و طرق کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے خصوصاً حیا جیسی عظیم صفت کو تاکہ سعادتِ دارین ہمارا مقدر بن جائے۔

* * *

ضروری اطلاع

غیر ملک کے لیے حسب سابق ''ماہنامہ دارالعلوم'' کی روانگی شروع کر دی گئی ہے۔ ضرورت مند حضرات ''دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

(۲) پاکستانی خریدار حضرات ''ماہنامہ دارالعلوم'' جاری کرانے کے لیے درج ذیل پتے پر رابطہ کر سکتے ہیں:

مولانا سیّد رشید میاں صاحب ناظم جامعہ مدنیہ راوی روڈ کریم پارک، لاہور پاکستان

(ادارہ)

مولانا عبدالصمد رحمانی: حیات وکارنامے

(۲/۲)

از: مولانا غالب شمس قاسمی

مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ نے لکھا ہے کہ ان کتابوں اور رسائل کے علاوہ ابھی بہت سے مسودات ہیں، جو زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکے ہیں، (قرآن محکم) مفتی صاحب نے تین (۳) مقامات پر لکھا ہے کہ مولانا عبدالصمد رحمانی کی کل تصانیف سڑسٹھ ہیں، قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے بھی کہا کہ: آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد سڑسٹھ ہے۔ اور قرآنِ محکم میں کتابوں کی فہرست بھی دی ہے، اس میں ترپن کتابوں کے نام ہیں، اور راقم کو اب تک چونسٹھ ۶۴ کتب کے اسماء معلوم ہوسکے ہیں، اور یہ اس صورت میں ہوں گے، جب ایک کتاب کی تمام جلدوں کو الگ الگ شمار کیا جائے، ایک کتاب کی تمام جلدوں کو ایک شمار کرنے کی صورت میں کل ۵۵ تصانیف ہوں گی، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے لکھا ہے کہ رد آریہ میں بارہ رسائل لکھے، وید کا بھید اور آریہ دھرم کا انصاف وغیرہ مقبول ہوئے، اگر آریہ دھرم کا انصاف اور آریوں کا خوفناک ایشور ان دونوں ناموں کو الگ الگ رسالہ مان لیا جائے، اور ابطالِ تناسخ کی دو جلدوں کو ایک شمار کریں تو بارہ رسالے ہوجائیں گے، اور اگر آریہ دھرم اور آریوں کا خوفناک ایشور ایک ہی رسالہ مان لیں تو اس وقت ابطالِ تناسخ کے دو جلدوں کو دو شمار کرنے کی صورت میں بارہ رسالے ہوں گے۔

آپ کی تصنیفات وتالیفات پر ایک نظر ڈال کر سوچیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کن کمالات سے نوازا تھا، اور آپ کن خوبیوں کے مالک ہیں، جن علماء کو آپ کے نزدیک رہنے کا موقع ملا ہے، وہ اچھی طرح سے واقف ہیں کہ حضرت مولانا رحمانی کی نظر فقہ پر کس قدر وسیع، دور رس اور گہری ہے، اور آپ کتنی جلد مسائل کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ (قرآن محکم۔ص 14) آپ کی چند کتابوں کے علاوہ اکثر کتابیں یا تو نایاب ہیں، یا کمیاب ہیں، قوم کو اس قیمتی علمی ذخیرہ کی حفاظت، اشاعت اور ترویج کی کوشش کرنی چاہیے!

آپ کے تلامذہ

مولانا سید روح اللہ رحمانی سابق صدر جمعیۃ علماء بہار
امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی
مولانا فضل الرحمان رحمانی سہرسا، مبارک پور
مولوی عبداللہ بازید پوری صاحب زادہ حکیم محمد صدیق رحمۃ اللہ علیہ
مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ امیر شریعت سابع

وسعتِ ظرفی اور حکمتِ عملی

علم وفضل کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہوئے بھی مولانا کے مزاج میں حد درجہ سادگی، اور خاکساری تھی، ان کی شفقت ومحبت کا انداز ہر کہ ومہ پر برابر تھا، (نقیب 21 مئی 1973ء) مولانا درویش صفت، متواضع مزاج، اور خلوت پسند تھے، شریعت اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پابند، سادگی کے پیکر تھے، (نقیب 21 مئی 1973ء ص 16) اعلیٰ ظرفی اور کشادہ قلبی میں اپنی مثال آپ تھے، فراخ دلی، عالی ہمتی میں منفرد مقام پر فائز تھے، جب امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری کا انتقال ہوا، اور امیر شریعت ثالث کے انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا، تو آپ نے بڑی حکمت ومصلحت سے انتخاب کا مسئلہ حل کردیا، اور حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادری تیسرے امیر شریعت منتخب ہوئے۔

جب امیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادری کا انتقال ہوا، اور انتخاب امیر رابع کا مسئلہ سامنے آیا، دعوتی خطوط کی تعداد سات سو تھی، ہندوستان کے ممتاز علماء کو بھی دعوت دی گئی، جن میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند قابل ذکر ہیں، اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے دو مصری اساتذہ شیخ عبدالمنعم النمر، شیخ عبدالعال العقباوی بھی اجلاس میں مدعو تھے، انہوں نے شرکت بھی فرمائی، یہ دونوں شیوخ جامعہ الازہر مصر کی طرف سے دارالعلوم دیوبند میں ادب عربی کی تدریسی خدمت پر مامور تھے۔

24 مارچ 1957ء کو سات سو مدعوئین، ارکانِ جمعیۃ علماء بہار، اور ارکان شوریٰ امارت شرعیہ کا اجتماع حضرت مولانا ریاض احمد کی صدارت میں ہوا، سب سے پہلے نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمہ نے اجلاس کے انعقاد کی غرض اور اس کا مقصد بتلاتے ہوئے اعلان کیا کہ

آپ حضرات آزادی کے ساتھ امیر شریعت جیسے اہم منصب کے لیے ایسے بزرگوں کا نام پیش کریں جو اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی سنبھال سکیں۔

حضرت نائب امیر شریعت کے اعلان پر چار نام پیش ہوئے: (1) حضرت مولانا شاہ امان اللہ صاحب سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (2) حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی مونگیر۔(3) حضرت مولانا شاہ نظام الدین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (4) حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نائب امیر شریعت۔

حضرت نائب امیر شریعت نے اپنا نام واپس لے لیا، اور فرمایا کہ اسے خارج از بحث سمجھا جائے، پھر آپ نے اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ سب نام ایسے پیش کیے گئے ہیں جن کا احترام صوبۂ بہار میں ہر طبقہ کرتا ہے؛ اس لیے اس اجلاس میں ناموں کی وجہ ترجیح پر بحث نہ کی جائے، اور ایک سب کمیٹی بنادی جائے، جو اس مسئلہ پر بحث کرکے اور متفق ہوکر ایک نام آپ کے سامنے پیش کردے، کمیٹی کی طے کردہ رائے آپ کی رائے ہوگی۔اور اس کا متفقہ طور پر تجویز کیا ہوا نام اس مشترکہ اجلاس کو منظور ہوگا۔(امارت شرعیہ: دینی جدوجہد کا روشن باب۔ص 127)

بظاہر یہ چھوٹی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ مولانا نے اپنا نام واپس لے لیا، دو دو امیر آپ کی نیابت میں امیر شریعت منتخب ہوئے، مولانا منت اللہ رحمانی کی بچے سے جوانی تک علمی وفکری سرپرستی کی تھی، یہ آپ کی وسعت ظرفی کا اعلیٰ ثبوت ہے کہ آپ نے ادارہ کی حفاظت کے لیے اکابر کی روایت زندہ وتابندہ رکھی، آپ کے یہی وہ مخلصانہ محاسن وکردار ہیں، جو آپ کی مقبولیت عامہ کا سبب بنا، امارت شرعیہ کی بنیاد مضبوط کرگیا۔

انہوں نے صرف اپنی ہی قوم وملت کی خدمت نہیں کی؛ بلکہ وہ عالم انسانیت کے لیے شمع ہدایت بن کر سامنے رہے، انہوں نے صرف دنیاوی مسائل کے حل ہی پیش نہیں کیے؛ بلکہ دین کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے تبلیغ واشاعت کا کام بھی انجام دیا۔

شادی: آپ نے تین شادی کیں، پہلی شادی مانڈر ضلع کھگڑیا میں ہوئی، اور عقد نکاح کے بعد یہیں سکونت اختیار کرلی، ان سے ایک لڑکا ابوصالح، اور ایک لڑکی صالحہ ہوئی، بیٹی صالحہ کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا، مولانا ابوصالح رحمانی جید عالم دین تھے، وہ بھی جواں عمری میں چل بسے، مولانا ابوصالح رحمانی کو دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہوئیں، ابوخطیب اور ابو امجد، اور تین بیٹیاں (1) عالیہ خاتون، (2) رابعہ خاتون، (3) راشدہ خاتون۔ یہ پہلے محل سے اولاد کی تفصیل ہے۔ یہ سب مانڈر میں ہی

سکونت پذیر ہیں۔

دوسری شادی واجد پور، شیخ پورہ ضلع نالندہ میں مریم سے ہوئی، اس محل سے دو بیٹے محمد عیسیٰ رحمانی اور موسیٰ رحمانی ہوئے، ایک بیٹی صالحہ ہوئی۔

محمد عیسیٰ رحمانی کو چار بیٹی اور دو بیٹے ہوئے، (1) اسد رحمانی 2) ارشد رحمانی۔

بیٹیاں (1) شگفتہ (2) شائستہ (3) عظمی (4) شگوفہ۔ دوسری محل کی اولاد باڑھ ضلع پٹنہ میں سکونت پذیر ہیں، اور پھل پھول رہے ہیں۔

تیسرا نکاح لکھنؤ کی بی بی فاطمہ سے ہوا، ان سے صرف ایک لڑکی بی بی عزیزہ خاتون ہوئی، جن کی شادی ماسٹر نہال اختر سے ہوئی ہے۔

آپ کے تمام بچے اور بچیاں خوش وخرم اور خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔

بیماری: 23 محرم 1388ھ مطابق 1968ء میں آپ نے مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کو خط لکھا، اور فرمایا کہ مدتوں کے بعد نئی زندگی پا کر یہ خط لکھ رہا ہوں، خونی بواسیر کا اتنا سخت دورہ تھا کہ اس نے زندگی سے مایوس کر دیا تھا، بدن میں خون نہیں رہنے کی وجہ سے ہاتھ پاؤں چہرہ پر ورم آ گیا، تمام بدن سوج گیا، نشست و برخاست بمشکل ہوتی تھی۔

اس زمانے میں ضعف و نقاہت اس درجہ ہوگئی کہ لکھنا پڑھنا کم ہوگیا، مفتی صاحب کو خط میں مخاطب کر کے کہا کہ ''اب تو تصنیف وتالیف کے کام کا ہی نہ رہا۔''

جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی
بس اب یہ حال ہے کہ
بھروسہ نہیں اب بجھا تب بجھا
دم اپنا چراغِ سرراہ ہے۔''

اس کے بعد آپ کی طبیعت سنبھل گئی، آئندہ سال پھر طبیعت گڑبڑائی، 11 مارچ 1969ء میں مفتی صاحب کو خط لکھا کہ ایک ماہ پر مونگیر سے آیا ہوں، آپریشن کے سلسلے میں داخل اسپتال تھا، چوں کہ ہسپتال میں بے ہوش کیا گیا تھا، اور تیز دوا سونگھائی گئی تھی، دماغ پر اس کا اچھا اثر نہیں ہے، خلا محسوس ہوتا ہے، بس یوں سمجھ لیجیے کہ اب علمی کام کا نہ رہا، نسیان غالب ہے، رکعت بھول جاتا ہوں، اور یاد نہیں رہتا ہے کہ پہلی رکعت میں کون سی سورت پڑھی تھی۔ (مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے۔ ص295-299)

مرض کے اسی سرد و گرم میں حیات کٹتی رہی، 20 فروری 1973ء کو آپ مغرب کی نماز ادا کررہے تھے کہ کپڑے میں آگ لگ گئی، آپ لمبا کرتا پہنتے تھے، خوف خدا سے معمور، عبادت میں مشغول، محبوب کے خیال میں گم، پیچھے سے آتشدان کی آگ نے کپڑوں کو جلایا، اس کی لپٹوں نے بدن کو جھلسا دیا اور آپ عبادت میں کھوئے رہے، جب کچھ حصہ جل گیا، پیر ہاتھ اور کمر کا بہت سا حصہ بھی لپیٹ میں آ گیا، پھر معلوم ہوا، اللہ اللہ کیا محویت، فنائیت تھی۔ (نقیب 21 مئی 1973ء ص15)

تقریباً چار ماہ بستر علالت پر رہے، علاج ہوا، اور زخم بھرنے لگے؛ لیکن کمزوری روز بروز بڑھتی گئی، 29 اپریل کو حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانیؒ نے خانقاہ رحمانی مونگیر بلالیا، ڈاکٹروں نے نقاہت کا سبب خون کی کمی کو قرار دیا؛ چنانچہ خون چڑھایا گیا، جس سے حالت کافی سدھر گئی تھی، لیکن 14 مئی 1973ء کو دفعتہً حالت بگڑنے لگی اور 10 ربیع الثانی 1393ھ مطابق 14 مئی 1973ء روز پیر ساڑھے گیارہ بجے دن خانقاہ رحمانی میں آپ کا وصال ہوگیا، 15 مئی 1973ء کو ساڑھے نو بجے دن میں نماز جنازہ حضرت مولانا منت اللہ رحمانی نے پڑھائی، اور خانقاہ رحمانی کے قبرستان میں اس یادگار سلف کو سپرد خاک کردیا گیا۔ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ، سَقَی اللّٰہ ثَرَاہُ و جَعَلَ الجنۃَ مَثْوَاہُ۔ (نقیب 17 ربیع الثانی 1393ھ مطابق۔ 21 مئی 1973ء)

شاعری کا ذوق: وفات سے قبل آپ کی لائبریری میں یہ شعر لٹکا ہوا تھا، جو آپ کے اعلیٰ ادبی ذوق پر دلالت کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے مولانا صمدؔ تخلص فرماتے تھے۔

محروم کر کے شرفِ شہادت سے اے صمد
شعلوں نے میرے جسم کو جھڑکا کے رکھ دیا۔ (نماز کی باتیں۔ ص12)

منظوم خراجِ عقیدت وتاریخ وفات

آپ کی وفات کے بعد بہت سے عقیدت مندوں نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا، اور قطعہ وفات لکھا۔ جو درج ذیل ہے۔

مراثی بروفات نائب امیر شریعت ثانی۔ از جناب شہاب شمسی باڑھوی تھانہ مسجد باڑھ

آفتابِ علم و حکمت چل بسے — ایک ہمدردِ امارت چل بسے
یعنی جن کا نام تھا عبد الصمد — یادگار خیرِ امت چل بسے
جانشین قطبِ عالم چل بسے — صاحب اہلِ طریقت چل بسے
اک محقق ماہرِ علم فقہ — دے کے کچھ درسِ شریعت چل بسے

مرد کامل غمگسار دین تھے رہنمائے ملک و ملت چل بسے
اب کہاں ہم جاکے لیں گے روشنی آہ وہ شمعِ ہدایت چل بسے
چھوڑ کر انھیں نہ جانا تھا ابھی پر خدا کی تھی مشیت چل بسے
اہلِ ایماں کے دلوں میں اے شہاب! ڈال کر نورِ شریعت چل بسے
لکھ دو شمسی سال رحلت ان کی آج نائبِ میرِ شریعت چل بسے–1393ھ

قطعۂ تاریخ حسنِ رحلت بروفات فقیہ امت حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی نوراللہ مرقدہ
ازحکیم منظرالحسن خادم گاڈھوی مظفرپوری (موجودہ ضلع سیتامڑھی)

ہوا نگاہوں سے اپنی اوجھل فدائے سنت انیس ملت
وہ چرخِ عرفاں کے ماہ تاباں وہ عالمِ دینِ فقیہ امت
خدا کا وہ برگزیدہ بندہ امام تالیف شیخ کامل
امیر شرعی کے جو تھے نائب بہار واڑیسہ کے تھے جو زینت
بقائے امت میں جس نے عمر عزیز اپنی تمام کردی
وہ مرد مومن شفیق ومحسن وہ مخزنِ علم دین و حکمت
ز ہے، نصیبا! کہ بعد مردن بھی شیخ کا آستاں نہ چھوڑا
وہیں کا پیوند خاک ہونا لکھی تھی قسمت میں یہ سعادت
یہ لوح تربت بجا ہے خادم یہ آپ حرف جلی میں لکھ دیں
کہ رشک فردوس ہے زمیں پر محبّ خیر البشرؐ کی تربت

1393ھ

تاریخ ہائے وفات حسرت آیات مولانا عبدالصمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ۔
ازمولانا محی الدین کامل رشیدی چھترہر، کوڈرما، ہزاری باغ
موتُ عالم المجاہد الجلیل موتُ عالم (1393ھ)
قطعۂ تاریخ سال وفات (1973ء)
آہ بیاد فقیہ امت جناب مولانا عبدالصمد رحمانی (1393ھ)
ہائے محبّ الٰہی مولانا عبدالصمد نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ (1973ء)
اثر چوب خامہ کامل رشیدی (1973ء)

از باب مدرسہ ارشد المدارس چھتر بر (1973ء)

حیف در چشم زدن دور خیار آخر شد
حسرتا ساعت تسکین وقرار آخر شد
گفت ہاتف چوں بفکر سن رخصت بودم
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد (1973ء)

نقش آخریں

حضرت کی کتابیں پڑھیں، تو مزید کتابیں پڑھنے کا اشتیاق ہوا، ان کی تصانیف کی عدم دستیابی نے مجھے کھوج میں لگا دیا، ادھر مواد کی قلت نے منہ چڑھایا، اور کھوئے ہوؤں کی جستجو کے شوق نے ولولہ پیدا کیا، پھر کیا تھا، نشان برگ گل ڈھونڈنا شروع کیا، اس کو پانے اور جاننے کی ضد نے بے چین کر دیا، دستیاب مواد کو پڑھا، تو تجسس وشوق هَلْ مِنْ مَزِید ہوگیا، پھر احساس ہوا کہ ان کی شخصیت ان الفاظ سے پرے ہے، جو ان کے لیے کہے گئے، ان کے فضل وکمال کو لفظوں کی پرکاری کی حاجت نہیں، پھر بھی اس حقیر نے ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے، چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی داستان کو اکٹھا کیا ہے، روداد پیوستۂ ماسبق کو تازہ کیا، لالہ، نرگس اور گل کے اوراق منتشر سے خوشہ چینی کی۔ ممکن ہے کہ اس میں زندگی کی بہت سی جہات تشنہ ہوں، اللہ اس پر کام کرنے کی کسی صاحبِ ذوق و ماہرِ قلم کو توفیق دے، دراصل مولانا کی ذات ان کاملین میں سے تھی، جو شہر گمنامی کے اسیر ہوتے ہیں، بقول مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی: ''اپنی متواضع طبیعت کی وجہ سے گمنامی کی زندگی ہی آپ کو محبوب ہے، اس وقت علمائے بہار میں اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے آخری شخص ہیں، اور علمائے ہند میں امتیازی شان رکھتے ہیں افسوس کہ علم وادب کا یہ خطہ اتنی زرخیزی کے باوجود اپنے محسن کی قدردانی نہ کرسکا۔''

❋ ❋ ❋

مصادر ومراجع

حیات سجاد (مولانا عبدالصمد رحمانی ص 27)
قرآن محکم (مولانا عبدالصمد رحمانی)
ہندوستان اور مسئلہ امارت (مولانا عبدالصمد رحمانی)
کتاب العشر والزکوۃ (ایضا)
کتاب الفسخ والتفریق (ایضاً)

تاریخ امارت (مولانا عبدالصمد رحمانی)
نماز کی باتیں (مولانا عبدالصمد رحمانی)
ہفت روزہ نقیب: ترجمان امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ 17) ربیع الاول 1393ھ مطابق 21 مئی 1972ء۔ایڈیٹر شاہد رام نگری)
سہ روزہ الجمعیۃ (23 جمادی الاولی 1349ھ مطابق 16 اکتوبر 1930ء)
مشاہیر علماء ہند کے علمی مراسلے (مفتی ظفیر الدین مفتاحی سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند)
امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب (مفتی ظفیر الدین مفتاحی)
فتاویٰ امارت شرعیہ جلد اول
مشاہیر اکابر و معاصرین (مفتی ظفیر الدین مفتاحی)
سیرت مولانا سید محمد علی مونگیری (سید محمد الحسنی)
ماہنامہ رفیق پٹنہ علمائے بہار نمبر (ایڈیٹر محمود عالم، جلد 7، جنوری۔فروری 1984، ربیع الاول۔جمادی الاول 1404ھ)
ہمارے امیر (مرتب: مولانا رضوان احمد ندوی)
مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ (مرتب: مولانا طلحہ نعمت ندوی)
تذکرہ علمائے بہار جلد اول۔ (مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی)
امیر شریعت رابع (حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی رحمہ اللہ کی حیات و خدمات)
(دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ۔ص:756)
حیات سجاد (مرتب: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی)
حیات ابوالمحاسن۔محاسن التذکرہ (مفتی اختر امام عادل قاسمی)
تذکرہ ابوالمحاسن (مرتب: مفتی اختر امام عادل قاسمی)
حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ۔ مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی (یادوں کے چراغ جلد پنجم)
تحریک آزادی میں علمائے کرام کا حصہ (مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی)

❊ ❊ ❊

شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری ارشاد حسینؒ قاسمی ارکانی

فاضل دارالعلوم دیوبند

از: مولانا محمد امین ندوی

شیخ الحدیث مولانا قاری ارشاد حسینؒ (حسینی) قاسمی ارکانی فاضل دارالعلوم دیوبند تھے۔

آپ خوش الحان قاری اعلی پایہ کے عالم اور شیخ الحدیث تھے، عربی حروف میں لکھی جانے والی روہنگیا زبان میں قرآن مجید کے مترجم اور مفسر تھے۔

تقریباً 1915ء میں حضرت مولانا ارشاد حسینؒ ابن مولانا نجم الدینؒ جنوبی منگڈو ارکان کے گاؤں اُودنگ میں پیدا ہوئے۔ مولانا نے ابتدائی اور وسطی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی، پھر وہ اعلی تعلیم کے لیے ہندوستان روانہ ہوگئے اور 1939ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور انھوں نے 1944ء میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد آپ نے شعبۂ قرارت اور تخصص فی الافتاء میں داخلہ لیا جو تین سال میں مکمل کیا۔

تعلیم مکمل کرنے اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد 1947ء میں وہ اپنے آبائی ملک ارکان واپس آ گئے اور 1948 میں مدرسہ عالیہ شقدار فارا، منگڈو میں استاد مقرر ہوئے، پھر وہ 1949ء میں دارالحکومت رنگون چلے گئے۔ رنگون پہنچنے کے بعد سال بھر مولمین میں بھی قیام رہا۔ اس اثناء میں آپ نے مولمین سے تعلق رکھنے والے جناب عبدالستار صاحب کی صاحبزادی نور عائشہ سے شادی کی۔

1950ء میں دارالعلوم صوفیہ تاموے/ Botataung میں انھیں استاد مقرر کیا گیا، جہاں انھوں نے بائیس سال تک خاص طور پر حدیث کا درس دیا۔ دریں اثناء 1961ء میں برمی ریڈیو اسٹیشن، روہنگیا پروگرام کے کلیم اللہ دان کے گھر تشریف لائے اور برما میں دیسی زبانوں کے پروگراموں کے تحت روہنگیا زبان کے پروگرام کی نشریات میں حصہ لینے کی درخواست کی تو وہ برمیز براڈ کاسٹنگ سروس BBS)) روہنگیا پروگرام سے منسلک ہوگئے۔ وہ 1965ء تک روہنگیا نشریات سے وابستہ رہے، جہاں وہ قرآن مجید کی تلاوت سے نشریات کا آغاز کرتے تھے۔ کلیم اللہ بوشیدنگ سے تعلق

رکھنے والے روہنگیا تھے۔ برما کے ریڈیو اسٹیشن کا پہلا روہنگیا سرکاری براڈ کاسٹر اور روہنگیا زبان کے نیوز کاسٹر تھے جو برما میں مقامی لوگوں کی زبان کے طور پر روہنگیا زبان کے پروگرام کے لیے رنگون ریڈیو سے منسلک رہے تھے۔

رنگون ریڈیو کے اس روہنگیا پروگرام کو یکم اکتوبر 1965ء میں ملک میں فاشسٹ فوجی حکمرانی کے دوران، جنرل نیون نے غیر منصفانہ طور پر دیگر تین اقلیتی اقوام کی زبانوں کے ساتھ زبردستی طاقت کا استعمال کرکے بند کردیا تھا۔ اس کے بعد 1982ء کے جابرانہ اندھے قانون کے تحت روہنگیا مسلمانوں کی شہریت کے حقوق بھی چھین لیے گئے تھے۔

1972ء میں دارالعلوم صوفیہ میں اپنی خدمات مکمل کرنے کے بعد مدرسہ نعمانیہ Pansodan رنگون میں ایک سال کے لیے مدرس مقرر ہوئے۔ اس مدرسہ کے آپ بانی ہیں اور جب مولانا سعیداللہ صاحب اس کے ذمہ دار بنے تو انھوں نے اصرار کیا کہ اس کی بابرکت شروعات کے لیے کم ازکم ایک سال کے لیے آپ یہاں تشریف لائیں۔

1973ء میں آپ مدرسہ فرقانیہ Theingyaung رنگون میں حدیث کے اعلیٰ استاد مقرر ہوئے، جہاں آپ نے ارکان پھر سعودی عرب روانگی تک چھ سال بخاری شریف اور دیگر کتابوں کا درس دیا۔

آپ 1980ء میں ارکان چلے آئے۔ اور حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مملکت سعودی عرب کا سفر کیا، جہاں وہ تقریباً چھ سال مدینہ منورہ میں رہے، اور ان دنوں میں وہ مستشفیٰ صفار المدینہ (قبار، حی البحر، ابان الربعی، الجمعہ) کے قریب مسجد طیبہ میں امامت کے فرائض انجام دیے، جو شارع الامام احمد بن حنبل میں حرم نبوی کے جنوب مشرق کی طرف دوکلومیٹر کی دوری پر ہے۔ مسجد سے منسلک المدرسۃ الفرقانیۃ لتحفیظ القرآن الکریم میں بھی حفظ وقراءت کی تدریسی خدمات انجام دی۔ ونیز موصوف مدرسہ دارالحدیث المدنیہ باب مجیدی مدینہ منورہ میں چار سال تک حدیث کی تعلیم وتدریس میں مشغول رہے۔ آپ کی خدمت حدیث نبوی کی قدر کرتے ہوئے شاہ فہد نے شرف باریابی سے مشرف کیا، اور خصوصی کرم فرماتے ہوئے آپ کو ایک خصوصی پروانہ عطا کیا جس سے آپ کو کافی سہولت رہی۔

1986ء میں سعودیہ سے جب واپس تشریف لائے تو مدرسہ عالیہ شقدار فارہ کے مہتمم حضرت مولانا اسداللہ صاحب نے آپ کو مدرسہ عالیہ میں شیخ الحدیث کے منصب سنبھالنے کے لیے اصرار کیا

تو آپ 3 سال تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے اور تشنگان علوم نبوی کو سیراب کرتے رہے۔

1989ء میں مولانا ارشاد حسین اپنے اہل محلّہ کے اصرار پر اپنے آبائی گاؤں اودنگ، ارکان واپس آ گئے، اور مدرسہ اشرف العلوم اودنگ میں درس حدیث میں ازسرِنو مشغول ہوگئے جس میں خاص کر کے مسلم شریف کا درس قابل ذکر ہے جو 2017ء تک جاری رہا۔

جب ریاست اراکان میں مسلمانوں کی حالت دن بدن ابتر ہونے لگی۔ 25 اگست، 2017ء کو روہنگیا مسلمانوں کے خلاف رونما ہونے والے تشدد اور قتل عام کے واقعات کے دوران آپ کے گاؤں کو نذر آتش کر کے زمین بوس کر دیا گیا، اور قابل ذکر تعداد میں سرکردہ مسلمانوں کو گرفتار کر کے قید کی حالت میں قتل اور ذبح کر کے شہید کر دیا گیا تو آپ اپنے خاندان اور گاؤں کے زندہ بچ جانے والوں کے ساتھ اپنے مذہب اور جان و مال بچانے کے لیے پڑوسی ملک بنگلہ دیش پناہ لینے پر مجبور ہوگئے اور کاکسس بازار بنگلہ دیش کے ریفیو جی کیمپوں میں آباد ہوگئے۔

جب 29 جولائی 2019ء کو وائس آف امریکہ سے روہنگیا پروگرام شروع ہوا اور روہنگیا ریفیو جی کیمپ کاکسس بازار سے اس پروگرام کے متعینہ نمائندے مختلف قسم کے سماجی سیاسی خبر کی رپورٹنگ شروع کی تو راقم الحروف نے ان کو توجہ دلائی کہ 15 مئی 1961ء کو شروع ہونے والے رنگون ریڈیو کے روہنگیا پروگرام میں قرآن مجید تلاوت کرنے والے مولانا قاری ارشاد حسین اس وقت ریفیو جی کیمپ میں ہیں ان کا انٹرویو نشر کیا جائے، تو اس پر عمل ہوا، اس طرح پوری دنیا میں پھیلے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کو اس عظیم ہستی کے بارے میں علم ہوا اور ملاقاتوں کا تانتا بندھ گیا، انٹرنیٹ اور شوشل میڈیا وغیرہ میں آپ کے بارے میں بہت کچھ شائع ہوا۔

بنگلہ دیش کے پناہ گزین کیمپ میں آنے کے بعد، 2012ء سے ترکی حکومت کی روہنگیا مسلمانوں کے بارے میں غیر معمولی خدمات کے پیش نظر صدر جناب طیب اردوگان کے نام روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار اور ان کی پناہ گزینی کے بارے میں خط لکھا جس پر صدر نے اپنے نمائندوں کے ذریعے اطمینان دلایا اور روہنگیا مسلمانوں کے مسئلہ کے حل کے لیے کوششوں کا بھرپور یقین دلایا اور اس میں کامیابی کے لیے اللہ تعالی کے حضور دعاؤں کی ضرورت پر زور دیا اور کچھ گرانقدر ہدایا وتحائف بھی بھیجے۔ علاوہ ازیں چھ بار ترک نمائندے آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مع خاندان ترکی چلے آئیں؛ لیکن آپ نے اپنے رشتہ داروں اور متعلقین اور ہم وطنوں کو چھوڑ کر جانا گوارا نہیں کیا، اور تاکید کی کہ میرا مرنا جینا ان کے ساتھ ہے۔

حضرت مولانا ایک قابلِ احترام عالم، متقی پرہیزگار، ایک شاندار مدرس اور غیر معمولی استاد تھے۔ انھوں نے اراکان اور برما کی متعدد اسلامی جامعات میں عمدگی کے ساتھ حدیث نبوی کی تعلیم دی، اور وہ عبادت اور تقویٰ کے اونچے مقام پر فائز تھے، انھوں نے ساری زندگی قیام اللیل اور نماز تہجد کی پابندی کی۔

حضرت مولانا کی متعدد تصانیف اور ترجمے ہیں جن میں سب سے نمایاں منظوم فارسی کتاب ''کریما'' کا عربی حروف کی تاریخی روہنگیا زبان میں منظوم ترجمہ ہے۔

پیر، 18 جنوری، 2021ء کو، آپ نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی اور تقریباً 106 سال کی عمر میں اس دارفانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر گئے، انھوں نے اپنے پیچھے ایک طویل تاریخ اور اپنے مذہب اور لوگوں کی خدمت سے بھرا ریکارڈ اور پسماندگان میں آٹھ اولاد و اقارب چھوڑے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں ان کو جگہ عطا فرمائیں اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں!

اولاد

حسینہ جن کی شادی ارکان سے تعلق رکھنے والے شیخ الحدیث مولانا زکریا مدرس و شیخ الحدیث مدرسہ صوفیہ رنگون سے ہوئی، وہیں قیام پذیر ہیں۔

مولانا حافظ ارشد حسین سابق امام (منشی رو) جامع مسجد منگڈو، ارکان۔

الحاج مولانا حافظ قاری اسجد حسین شیخ الحدیث مدرسہ مومنین برما۔

حافظ قاری راشد حسین بالوخالی کیمپ، کاکسس بازار میں مقیم ہیں۔

مولوی حافظ رشاد حسین منگڈو، ارکان میں مقیم ہیں۔

حمیدہ جن کی شادی امین اللہ سے ہوئی، عرب امارات میں مقیم ہیں۔

انجینئر حافظ ساجد حسین رنگون میں مقیم ہیں۔

حبیبہ جن کی شادی مامون الرشید سے ہوئی، رنگون میں مقیم ہیں۔

* * *